ماہنامہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ حیاتِ نو بلریاگنج

جلد ۱۳	ربیع الاول ۱۴۱۷ھ اگست ۱۹۹۶ء	شمارہ ۸

بدل اشتراک

سالانہ زرِ تعاون ۵۰/- روپے
طلبہ کے لیے ۴۰/- روپے
خصوصی زر تعاون ۱۰۰/- روپے
اعزازی زر تعاون ۱۰۰۰/- روپے
غیر ممالک سے زر تعاون ۲۵ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ ۵/- روپے

مدیر مسئول

نور محمد فلاحی

معاون

انیس احمد فلاحی

○ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہذا جلد سالانہ زرِ تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مجلہ حیاتِ نو جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڑھ

کوڈ: ۰۵۴۶۶ فون ۴۵۱۴۵ ۲۷۶۱۲۱ (یوپی)

کتابت: محمد اشفاق عالم فلاحی

نقوش حیات نو

● اداریہ

ملا کو ہے جو ہند میں سجدے کی اجازت — انیس احمد فلاحی ۳

● درس قرآن

حقوق العباد کی اہمیت — حافظ احسان الحق فلاحی ۵

● ہدایت کے چراغ

حضرت ایاس بن معاویہ مزنی رح — ابو طلیس ندوی ۱۳

● مقالات

احیاء امت اور اسکے مطالبات "قرآن و سنت کی روشنی میں" — عبد العزیز سلفی ۲۱

مصرف جرم قربانی — شاہد بدر فلاحی ۳۴

سنت کا مفہوم — سید سلیمان ندوی ۳۹

● مذاہب عالم

یہودیت — انیس احمد فلاحی ۴۴

● شعر و نغمہ

غزل — ایم اے شمسی ۴۳

● جامعہ کے لیل و نہار

ماسٹر جنید احمد صاحب رحلت ۴۸

سابق ایڈیٹر حیات نو ایس آئی او آف انڈیا کے جنرل سکریٹری

حیات نو کی خریداری مہم۔

اداریہ

ملا کو ہے جو ہند میں سجدے کی اجازت

انیس احمد فلاحی

یہ شمارہ جس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہوگا اس وقت پورے ملک میں یوم آزادی کے استقبال کی تیاریاں بام عروج پر ہوں گی۔ عموماً اس موقعہ پر مسلم مفکرین و دانشوران بھی آزادی کے گن گاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن اگر یہ مفکرین آزاد ہندوستان کی پچاس سالہ تاریخ کا ایک سرسری مطالعہ بھی کر لیتے تو انکے سامنے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی کہ گرچہ برطانوی سامراج سے ہم نے آزادی حاصل کر لی لیکن دوسری طرف ہم برہمنیت کے بچھائے ہوئے جمہوریت اور سیکولرزم کے جال میں جا پھنسے۔ کیونکہ ہندو اکثریت والے ہندوستان میں انتخاب اور ووٹنگ کا مطلب ہی یہ تھا کہ مسلم اقلیت ہمیشہ اکثریت کے تابع رہے چنانچہ آزاد ہندوستان کی پچاس سالہ تاریخ کا اشارہ یہ بتاتا ہے کہ اس ملک میں رہنے کے لئے "بندے ماترم" کی بجا آوری ناگزیر ہے۔

کیا ایسا نہیں یا کہ آزادی کی تحریک شروع کرنے والے مسلم رہنماؤں کے ناموں کو چھپایا گیا۔ آزادی کے حصول کے معاً بعد دہلی اور اسکے نواحی علاقوں کو اجاڑا گیا، پنجاب کی گلیاں ہمارے خونوں سے رنگین ہوئیں۔ شمالی ہند کے اس پورے علاقہ میں جہاں مسلمانوں کی زمینداری تھی قانون زمینداری کو ختم کر کے مسلمانوں سے ستر فیصد زرعی زمینوں میں سے چالیس فیصد زرعی زمینیں چھین لی گئیں جبکہ ہندو زمینداری والے صوبوں میں اس قانون کا نفاذ برائے نام کیا گیا۔ اور وہاں اب بھی ایک ایک شخص کے پاس تین تین ہزار ایکڑ زمینیں ہیں فوج میں دخول کے دروازے بند کر دیئے گئے، اعلیٰ اور مرکزی نوکریوں میں مسلمان

آتے ہیں نمک بن کر رہ گئے۔

ہماری تہذیب و تمدن، ہماری ثقافت اور ہماری پوری تاریخ کو مسخ کیا گیا اردو کے ساتھ جو ظلم روا رکھا گیا وہ عیاں را چہ بیاں کے مصداق ہے۔ اردو کی بقا و تحفظ کرنے والے اداروں کو زبردستی چھینا گیا۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کا اقلیتی کردار ختم کئے عرصہ ہوا۔ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ پر بارہا حملے ہوتے رہے، اور حال ہی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے حقیقی بانیوں کی جگہ مصنوعی ناموں کے اندراج اس کے اقلیتی کردار کے خاتمہ اور اردو میں ذریعہ تعلیم کو جس طرح ممنوع قرار دیا گیا اس سے آزادی کا جشن منانے والے بھی بخوبی واقف ہیں۔

آزادی کا یہ کرشمہ بھی کیا خوب ہے کہ اسی آزادی کے دور میں سیکولرازم اور جمہوریت کا مذاق اڑاتے ہوئے بابری مسجد کو شہید کیا گیا مسلم پرسنل لاء کو بار بار ہدف ملامت بنایا گیا یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی باتیں کی گئیں، معاشی اعتبار سے مضبوط و مستحکم مسلم محلوں میں منظم فرقہ وارانہ فسادات کرائے گئے۔ کیا اب بھی آزادی کا اصل چہرہ بے نقاب ہو کر سامنے نہیں آیا۔

آزادی کے ان پچاس سالوں نے ہمیں کیا دیا؟ حقوق سے محرومی، لٹتی ہوئی عزتوں اور عصمتوں کے تحائف، جلتی دوکانیں، تڑپتی لاشیں، دل آزاریاں، زمین بوس مساجد، منہدم گنبد، ظلم و بربریت کے تحفے، ٹاڈا کے قیدی۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو آزاد ہندوستان کی مسلم آبادی کے حصہ میں آئی ہیں۔

آنے والا آزادی کا یہ پچاسواں سال ہمیں آگاہی دیتا ہے کہ حقیقی آزادی شمشیر و سناں سے ہی وابستہ ہوتی ہے۔ بقول خلیفہ راشد ابوبکر صدیق ؓ کے کہ:

"جو قوم جہاد کو ترک کر دیتی ہے وہ ذلیل ہو جاتی ہے۔" دوسروں سے آزادی کی بھیک مانگ کر باعزت قومی زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ اس لئے ہمیں غور کرنا چاہئے کہ قومی سفر کے لئے ہم اب تک جس راستے پر چلتے آئے ہیں وہ ہمیں منزل سے قریب کر رہا ہے یا دور۔

درس قرآن

حقوق العباد کی اہمیت

حافظ احسان الحق فلاحی

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا (سورۃ النساء: ۳۶)

اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے، ان لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں احسان کا معاملہ رکھو۔ یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے۔

یہ سورۂ نساء کی چھتیسویں آیت ہے۔ اس سورہ کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ اس میں تقویٰ اور خدا پرستی کی بنیاد پر مسلم معاشرہ کو متحد اور منظم رہنے پر زور دیا گیا ہے اور یہ چیز اسی وقت ممکن ہے جبکہ مسلم معاشرے کے تمام افراد اللہ کی بندگی کو بجا لائیں۔ ساتھ ساتھ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کو بھی پہچانیں۔

اس سے پہلے کے شمارے میں سورہ روم کی اڑتیسویں آیت زیر درس تھی جس میں حقوق العباد کے تعلق سے صرف تین طرح کے لوگوں کا ذکر کیا گیا تھا یعنی رشتہ داروں، غریبوں اور مسافروں کا۔ اس کے برخلاف سورہ نساء کی اس آیت میں اس دائرے کو وسیع کرتے ہوئے والدین، ہمسایہ، ہم پہلو ساتھی اور غلاموں اور باندیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور سب سے پہلے حقوق اللہ کی ادائیگی پر زور

دیا گیا ہے اور یہی تمام حقوق و فرائض کی اصل اور بنیاد ہے، کیونکہ جو شخص اپنے رب کا حق نہیں ادا کر سکتا وہ اسکے بندوں کا حق کس طرح ادا کر سکتا ہے۔

سب سے پہلے فرمایا گیا: واعبدوا اللّٰہ و لا تشرکوا بہ شیئا، یعنی اللہ کی عبادت کرو اور اسکے علاوہ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ لسان العرب میں "عبادت کے معنی "الخضوع والتذلل" یعنی جھکاؤ اور عاجزی۔ "غایۃ الخضوع والتذلل مع الطاعۃ۔" یعنی اطاعت و فرماں برداری کے ساتھ انتہائی عاجزی اور خاکساری کے آتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے آگے جھکو اسی کو سجدہ کرو اور زندگی کے تمام معاملات و مسائل میں اسکے احکام و فرامین پر عمل کرو۔ اس میں نماز روزہ حج و زکوٰۃ سے لیکر چھوٹی بڑی ساری عبادتیں آجاتی ہیں جن کی بنیاد اللہ کی ذات وصفات پر مکمل ایمان ہے یہ اس کے حقوق کی ادائیگی کا مثبت پہلو ہوا اور اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ اسکی ذات وصفات میں اسکے حقوق و اختیارات اور اقتدار اعلیٰ میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اس کے در کے علاوہ کسی اور کے در پر جبین نیاز خم نہ کی جائے۔ اس کے علاوہ کسی کو حقیقی مطاع، قادر مطلق اور مقتدر اعلیٰ تسلیم نہ کیا جائے۔

اس کے بعد حقوق العباد کے تعلق سے سب سے پہلے والدین کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ انکے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے احسانات کے بعد بندوں میں سب سے زیادہ احسانات ایک شخص کے اوپر والدین کے ہی ہوتے ہیں اسی لئے سورہ لقمان میں فرمایا گیا: ان اشکر لی و لوالدیک، یعنی میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کر۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اللہ کے بعد سب سے بڑا حق کس کا ہے تو آپ نے فرمایا ماں کا" قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر حقوق اللہ کے فوراً بعد والدین کا حق بیان کیا گیا ہے

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی متعدد شکلیں ہیں مثلاً ان کا ادب

واحترام، پریشانی و تنگدستی میں انکی مالی اعانت، بیماری کی صورت میں علاج و معالجہ انکی خدمت، انہیں قلبی سکون پہونچانا اور ان کی اطاعت و فرماں برداری وغیرہ۔

قرآنی اشارات اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کا درجہ باپ کے مقابلے میں بڑھا ہوا ہے گو کہ ادب و احترام اور اطاعت و فرماں برداری دونوں کی لازم ہے۔

ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کے تعلق سے فرمایا: "ھما جنتک و نارک" یعنی وہ دونوں تمہارے لئے جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی۔ یعنی انکی خدمت اور فرماں برداری تمہیں جنت کا حقدار اور انکے ساتھ بدسلوکی تمہیں دوزخ کا ایندھن بنا سکتی ہے۔ مشکوٰۃ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یدخل الجنۃ منان ولا عاق ولا مدمن خمر، یعنی جنت میں نہ تو احسان جتانے والا داخل ہوگا اور نہ ماں باپ کا نافرمان اور نہ ہی شراب کا عادی۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی نافرمانی کی سزا انسان کو دنیا میں بھی مل جاتی ہے چنانچہ مشکوٰۃ ہی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل الذنوب یغفر اللہ منھا ما شاء الا عقوق الوالدین فانہ یعجل لصاحبہ فی الحیاۃ قبل الممات، یعنی ماں باپ کی نافرمانی کے سوا جس گناہ کو اللہ چاہے گا معاف فرما دے گا کیونکہ اس کی سزا اکثر اوقات موت سے پہلے ہی دے دی جاتی ہے۔

ایک دوسرے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ثلاث دعوات مستجابات لا شک فیھن: دعوۃ الوالد و دعوۃ المسافر و دعوۃ المظلوم" "سنن ابی داؤد" تین طرح کی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں ایک والد کی دعا دوسری مسافر کی دعا اور تیسری مظلوم کی دعا۔ یہ چند احادیث" مشتے نمونہ از خروارے

کے طور پر پیش کی گئی ہیں ورنہ ذخیرہ احادیث میں والدین کے حقوق سے متعلق اتنی کثرت سے حدیثیں ملتی ہیں جن کا احاطہ ایک کتاب کی وسعت چاہتا ہے۔

والدین کے بعد رشتہ دار، یتیم، مسکین، پڑوسی، ہم پہلو ساتھی، مسافر، غلاموں اور باندیوں کا بالترتیب ذکر ہوا ہے لیکن گزشتہ شمارے کے درس قرآن میں رشتہ دار، غریب اور مسافر پر گفتگو ہو چکی ہے اس لئے انہیں یہاں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں سب سے زیادہ مظلوم اور بدحال "یتیم" ہوتے تھے جن کی جائدادوں پر انکے سرپرست قبضہ کر لیتے اور انہیں در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہونا پڑتا اور آج بھی جن کے دل اللہ کے خوف سے خالی ہیں وہ اپنے زیر کفالت یتیموں کے ساتھ کم وبیش اسی طرح کا سلوک کرتے ہیں اسلام نے صرف یہ کہ یتیموں کو ان کا حق دلایا بلکہ انکے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی تاکید بھی کی چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا: وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ "یعنی یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ مگر عمدہ طریقے سے یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہونچ جائے۔ مطلب یہ ہے کہ حفاظت اور نگہداشت کی غرض سے اگر اسے ہاتھ لگایا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

سورہ نساء کی دوسری آیت ہے: وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا

یتیموں کو ان کا مال دو اور اپنے برے مال کو ان کے اچھے مال سے نہ بدلو اور انکے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ نہ کھاؤ کیونکہ یہ بڑا گناہ ہے
اسی سورہ کی آیت دس میں فرمایا گیا ہے: إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا

بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھا جاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹ

کو آگ سے بھرتے ہیں اور ایسے لوگ ضرور بھڑکتی آگ میں جھونکے جائیں گے۔

یتیموں کے ساتھ ناروا سلوک درحقیقت آخرت فراموشی کا نتیجہ ہے چنانچہ سورہ ماعون کی ابتدائی دو آیتیں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

"أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ"

کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کو جھٹلاتا ہے پس یہی وہ شخص ہے جو یتیموں کو دھکے دیکر نکال دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

"خیر بیت فی المسلمین بیت فیہ یتیم یحسن الیہ وشر بیت فی المسلمین بیت فیہ یتیم یساء الیہ" (ابن ماجہ)

مسلمانوں کے یہاں سب سے اچھا گھر وہ ہے جہاں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور سب سے بہترین گھر وہ ہے جہاں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ ناروا سلوک کیا جائے۔

ایک دوسرے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انا وکافل الیتیم لہ ولغیرہ فی الجنۃ ھکذا" (رواہ مسلم)

یعنی میں اور یتیم کا سرپرست (یتیم چاہے رشتہ دار ہو یا اجنبی ہو) جنت میں اس طرح ہوں گے آپ نے اپنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملا کر بتایا
ایک صحابی نے آپ سے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

"امسح راس الیتیم واطعم المسکین" یعنی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور غریب کو کھانا کھلایا کرو۔ معلوم ہوا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا اور غریب کو کھانا کھلانا دل میں نرمی اور گداز پیدا کرتا ہے۔

آگے فرمایا جا رہا ہے "والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب

بالجنب" یعنی پڑوسی رشتہ دار، اجنبی ہمسایہ اور پہلو کے ساتھی سے احسان کا معاملہ کرو۔ بہت سے مفسرین کی رائے ہے کہ "جارذی القربیٰ" سے مراد وہ پڑوسی ہے جس کا گھر تمہارے گھر سے بالکل لگا ہوا ہو۔ اور "جارالجنب" سے مراد وہ پڑوسی ہے جس کا گھر تمہارے گھر سے دور ہو لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نزدیک "جارذی القربیٰ" سے رشتہ دار پڑوسی اور "جارالجنب" سے غیر رشتہ دار پڑوسی مراد ہے۔ اسکے برخلاف بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ "جارذی القربیٰ" سے مسلمان پڑوسی اور "جارالجنب" سے غیر مسلم پڑوسی مراد ہے۔ ان رایوں میں حضرت ابن عباسؓ کی رائے درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ قرآن میں "ذوالقربیٰ" کا لفظ دوسرے تمام مقامات پر رشتے دار ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس آیت کا منشا یہ ہے کہ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیئے خواہ وہ رشتہ دار ہو یا اجنبی البتہ رشتے دار پڑوسی دوسرے پڑوسیوں کے مقابلے میں حسن سلوک کا زیادہ مستحق ہے۔

اسلام نے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کو ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا چنانچہ ایک صحابی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "احسن الی جارک تکن مومنا" (مشکوٰۃ) پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو تو تم مومن ہو جاؤ گے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے۔

"من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلیحسن الی جارہ" وفی روایۃ: "فلیکرم جارہ" (رواہ مسلم) جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے: واللہ لا یومن واللہ لا یومن واللہ لا یومن۔ قیل من یا رسول اللہ۔ قال الذی لا یامن جارہ بوائقہ (بخاری شریف)

بخدا وہ شخص مومن نہیں ہے بخدا وہ شخص مومن نہیں ہے بخدا وہ شخص مومن نہیں ہے۔ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول: کون تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ رہ سکے۔

مذکورہ بالا تمام روایات میں پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید اور انکی ایذا رسانی کی ممانعت ایمان کا حوالہ دیکر کی گئی ہے جو اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ جو شخص اپنے پڑوسی کا ہمدرد و غمگسار نہ ہو اور جس کا پڑوسی اس کی ایذا رسانیوں سے محفوظ نہ رہ سکے وہ مومن نہیں چاہے نماز و روزہ سے اور دیگر عبادات کا کتنا ہی پابند ہو۔

پہلو کے ساتھی سے مراد دوست ہے اور ایسا شخص بھی ہے جس کا وقتی طور سے ساتھ ہو جائے مثلاً رفیق سفر، شریک تجارت، ہم سبق، کسی مجلس میں ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے اور کارخانوں، دفتروں اور آفسوں میں کام کرنے والے لوگ۔ اس آیت کی رو سے ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ بھی اچھا معاملہ کرے اور خوش اخلاقی سے پیش آئے اور اس بات کا پورا خیال رکھے۔ اسکی ذات سے انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچنے پائے۔

آخر میں فرمایا جارہا ہے اور لونڈی غلاموں کے ساتھ جو تمہارے قبضے میں ہوں حسن سلوک کرو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی سختی سے تاکید فرمائی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے: "لا یدخل الجنۃ سیئ الملکۃ" (ترمذی) غلاموں کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ دوسری حدیث میں ہے:

"للمملوک طعامہ وشرابہ وکسوتہ ولا یکلف الا ما یطیق فان کلفتموھم فاعینوھم ولا تعذبوا عباد اللہ خلقا امثالکم" (مسلم) غلاموں کا کھانا پینا اور کپڑا، مالک کے ذمہ ہے اور ان پر اتنا ہی بوجھ ڈالا

جائے جس کی ان کے اندر طاقت ہو اور اگر طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالو تو ان کی مدد کرو اور اے اللہ کے بندو اپنی ہی جیسی مخلوق کو مت ستاؤ۔

یہی حکم مزدوروں، ملازموں، اور خاص طور سے ہمہ وقتی خادموں کے بارے میں بھی ہے کہ انہیں تنگ نہ کیا جائے اور نہ طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ ڈالا جائے اور ان کی اجرت دینے میں ٹال مٹول کیا جائے۔ ایک حدیث میں ہے۔

"ما خففت علی عاملک کان لک اجرا فی موازینک" اگر تم اپنے خادم کا کام ہلکا کروگے تو یہ چیز تمہارے میزان میں مزید اجر و ثواب کا باعث ہوگی

آیت کا اختتام اس مضمون پر ہو رہا ہے کہ اللہ اترانے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ آیت کا یہ آخری ٹکڑا اس حقیقت کی نشاندہی کر رہا ہے کہ جو لوگ بندگان خدا کا حق نہیں ادا کرتے وہ درحقیقت کبر و غرور اور پندار بے جا کا شکار ہیں اور یہ خصلتیں جو لوگ ان میں مبتلا ہیں اللہ کے نزدیک وہ انتہائی مبغوض اور ناپسندیدہ ہیں۔

بقیہ: سنت کا مفہوم ...

رجوع کرنے سے باز رکھا کہ قرآن مجید میں ہر مسئلہ الگ الگ عنوانوں اور بابوں میں درج نہیں اس لئے لوگوں کو تلاش میں دقت ہوتی ہے، پھر قرآن سے استنباط کا لیا ہر عامی کا کام نہیں...... بہرحال ضرورت ہے کہ اب عقائد القرآن اور اخلاق القرآن پر ہمارے علماء مفصل کتابیں لکھیں، آج بھی جو لوگ قرآن پاک کے ساتھ شغف کا اظہار کر رہے ہیں اور قرآن ہی کو صرف حجت مانتے ہیں وہ بجائے اپنے موجودہ طرز عمل کے قرآن و احادیث کے باہمی تعلق اور ارتباط پر اس نظریہ کو سامنے رکھ کر کام کرتے تو اسلام کے لئے کتنا بڑا عظیم الشان کارنامہ انجام دیتے مگر افسوس ہے کہ اس کے بجائے اور بھی تفرقہ و انتشار کا باعث ہو گئے جس کی مثالیں پنجاب کے مختلف اضلاع میں نظر آتی ہیں۔

(ماخوذ از مقالات سلیمان جلد دوم مضمون سنت)

حضرت ایاس بن معاویہ مزنیؒ

ابو جلیس ندوی
استاد حدیث کلیۃ البنات جامعۃ الفلاح

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ رات بھر بے قراری کی کروٹیں بدلتے رہے، نہ کسی پہلو چین تھا، نہ آنکھوں میں کسی نیند کا کاجل گھلتا، وہ پوری رات فکر و خیال کی کوچہ گردی میں سرگرداں رہے، لیکن جس مرد بینا کی انہیں تلاش تھی وہ نہ ملا۔ علم و فضل، فہم و فراست، دیدہ وری، آگہی، اصابت رائے، بالغ نظری، تیز رسی اور دانا فہمی کے جو مشہور زمانہ افراد اس وقت موجود تھے، ان کی نگاہ نے ایک ایک کا جائزہ لیا، مگر کسی کو اس مرتبہ و مقام کے لائق نہ پایا کہ اسے بصرہ کا قاضی بنایا جا سکے، ان کو فکر دامنگیر تھی کہ جلد از جلد شریعت کا میزان عدل قائم ہو تا کہ بلا تاخیر لوگوں کے معاملات کا منصفانہ اور عادلانہ تصفیہ ہو سکے، ان کی نگاہ کسی ایسے قاضی کی تلاش و جستجو میں تھی جو پختہ فکر، صائب الرائے اور مضبوط ارادے کا مالک ہو تا کہ شریعت کے جاہ و جلال کے آگے کسی لالچ اور دباؤ کا کوئی جادو اس پر نہ چل سکے۔

بالآخر ان کی نظر انتخاب دو آدمیوں پر جا کے ٹھہری جو دینی فراست، ایمانی بصیرت اور حق کے لئے صلابت و صمود میں اپنی نظیر آپ تھے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کی تعیین کے معاملے میں وہ کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر پاتے تھے، جب کسی ایک میں کوئی قابل ترجیح پہلو پاتے تو فوراً دوسرے میں بھی اس کے بالمقابل کوئی دوسرا ترجیحی گوشہ ابھر کر سامنے آ جاتا، رات بھر اسی ادھیڑ بن میں لگے رہے لیکن کسی نتیجہ تک نہ پہنچ سکے۔ صبح ہوئی تو عراق میں متعین اپنے گورنر عدی بن ارطاۃ کو بلایا، وہ ان دنوں دمشق ہی میں موجود تھے ان سے کہا:

ایاس بن معاویہ مزنی اور قاسم بن ربیعہ حارثیؒ کو بلا کر قاضی بصرہ کی تعیین کے موضوع پر گفتگو کرو، اور ان ہی دونوں میں سے کسی ایک کو قاضی نامزد کرو۔ عدی بن ارطاۃ نے دونوں کو بلایا اور کہا: —

امیر المومنین کا فرمان ہے کہ میں آپ دونوں میں سے کسی ایک کو بصرہ کا قاضی نامزد کر دوں، آپ لوگ بھی اپنی اپنی رائے سے مجھے آگاہ کر دیں۔

دونوں نے علم و فضل میں اپنے اپنے ساتھی کی بلند پائیگی کا حوالہ دے کر اس کو اس منصب کا زیادہ اہل ثابت کرنے اور خود کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کی۔

عدی بن ارطاۃ نے کہا: - آپ دونوں اس بات کا فیصلہ کئے بغیر یہاں سے نہ جائیں۔

ایاس نے کہا: گرامی قدر امیر! دیکھئے عراق کے دو مشہور و مستند فقیہ ہیں حسن بصری اور ابن سیرین، یہ دونوں حضرات ہماری علمی دستگاہ، درعلمی دستگاہ میں ہمارے فرق و امتیاز کو اچھی طرح جانتے ہیں، مناسب ہوگا اگر آپ ان سے بھی اس معاملہ میں کچھ مشورہ کر لیں، دیکھئے وہ کیا رائے دیتے ہیں؟

ان دونوں حضرات سے چونکہ قاسم بن ربیعہ سے اچھے روابط تھے اسلئے وہ فوراً تاڑ گئے کہ انھیں گرداب میں ڈالا جارہا ہے کیونکہ امیر ان دونوں حضرات سے جب بھی مشورہ کریں گے تو وہ ان ہی کا نام پیش کریں گے، اسلئے جھٹ بول پڑے اور عرض کیا کہ اے عالی قدر امیر ہم دونوں کے بارے میں کسی سے کوئی مشورہ نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔ آپ میری بات سنئے، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، اور یہ جانتے ہوئے کہ وہی معبود برحق ہے۔ اسکی قسم کھاتا ہوں کہ ایاس کی دینی بصیرت اور ایمانی فراست، اور منصب قضا کے لئے درکار زیرکی مجھ سے بدرجہا زیادہ ہے۔ دیکھئے اگر میں اپنی قسم میں جھوٹا ہوں تو آپ کے

لئے یہ جائز نہ ہوگا کہ کسی جھوٹے کو قاضی بنائیں اور اگر میں اپنی اس بات میں سچا ہوں تو پھر ایک کمتر کو برتر پر ترجیح نہیں دینی چاہیئے۔

پھر ایاس گویا ہوئے، عرض کیا، امیر محترم آپ نے منصب قضا کی پیشکش کر کے ایک شخص کو جہنم کے کنارے کھڑا کر دیا، تو اس نے جھوٹی قسم کا سہارا لے کر اپنے آپ کو اس سے بچا لیا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جھوٹی قسم سے توبہ و استغفار کر کے اس کے وبال سے بچا جا سکتا ہے۔

عدی بن ارطاۃ نے آپ کی اس گفتگو سے جو ذہانت آشکار ہو رہی ہے، وہ جان لی ہے کہ منصب قضا کے لئے آپ موزوں ترین شخص ہیں، الغرض انھیں قاضی بصرہ بنا دیا گیا۔

جس شخص کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بصرہ کا قاضی مقرر کیا، آیئے دیکھیں وہ کون ہے، کیسا ہے؟ اور ان کی شخصیت کیسی نادر روزگار شخصیت ہے۔

ایاس بن معاویہ مزنیؒ ۴۶ ہجری میں بمقام یمامہ پیدا ہوئے، یہ نجد کا ایک مشہور علاقہ ہے، بچپن ہی میں اپنے والدین کے ہمراہ بصرہ منتقل ہو گئے وہیں پلے بڑھے اور دینی تعلیم حاصل کی۔ دوران تعلیم دمشق بھی آتے جاتے رہتے اور صحابہ و تابعین سے ملاقات کر کے ان سے علمی استفادہ کرتے رہتے، بچپن ہی کے زمانہ سے شرف و بزرگی کے آثار و علامات ان میں نمایاں تھے چنانچہ اس زمانے میں آپ کی ذہانت کے چرچے عام ہو گئے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک ذمی یہودی کسی مدرسہ کا معلم تھا، آپ اس سے ریاضی کے اسباق پڑھتے تھے، ایک دن اس یہودی معلم کے پاس اس کے دوسرے یہودی احباب آئے وہ باہم دینی امور و مسائل سے متعلق کچھ گفتگو کرنے لگے، ایاس اپنے کام میں مصروف تھے، لیکن ان کی گفتگو بھی سن رہے تھے، معلم نے کمسن سمجھ کر ان کا چنداں خیال نہیں کیا اور اپنے یہودی احباب سے کہا:

مسلمانوں پر حیرت ہوتی ہے کہ وہ کیسے ناممکن و محال باتوں کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جنتی لوگ جنت میں کھانا بھی کھائیں گے اور پانی بھی پئیں گے، لیکن بول و براز کی ضرورت نہیں لاحق ہوگی۔

ایاس نے فوراً ٹوکا اور کہا، معلم! اجازت ہو تو ایک بات میں بھی عرض کروں۔

معلم نے کہا، ہاں بیٹے بولو کہنا چاہتے ہو۔

ایاس نے کہا: بتائیے کہ کیا دنیا میں انسان جو کچھ کھاتا پیتا ہے وہ سب بول و براز بن کر باہر نکل آتا ہے۔

معلم: نہیں۔

ایاس: تو بتائیے کہ جو حصہ بول و براز بن کر باہر نہیں آتا وہ کہاں جاتا ہے؟

معلم: وہ جسم کی غذا بن جاتا ہے۔

ایاس: دنیا میں جب غذا کے کچھ حصے جزو بدن بن سکتے ہیں، تو جنت میں ساری غذا کے جزو بدن بننے پر حیرت کیوں۔

معلم: لاجواب ہوگیا، ایاس کا ہاتھ مروڑ دیا اور کہا اللہ تجھے غارت کرے۔

یہ نوجوان جیسے جیسے بڑھتا رہا، اسکی ذہانت کی شہرت بھی پھیلتی رہی بیان کیا جاتا ہے کہ کمسنی ہی کے زمانہ میں وہ ایک بار دمشق پہنچے، تو وہاں کے ایک شخص سے حقوق کے کسی مسئلہ میں ان کا اختلاف ہوگیا۔

وہ جب دلیل سے قائل نہ کر سکے تو عالم قاضی کے پاس لے گئے۔ جب دونوں قاضی کے روبرو پیش ہوئے تو ایاس کو غصہ آگیا اور بہت بگڑے۔ قاضی نے کہا تم ابھی بچے ہو، اور تمہارا فریق ایک سن رسیدہ بزرگ ہے اسلئے آہستہ بولو ڈپٹ کر مت بولو۔

ایاس نے کہا حق کا مرتبہ بزرگ کے مرتبہ سے زیادہ برتر و بالا ہے۔

قاضی کو غصہ آگیا۔ بولا، چپ رہو۔

ایاس نے کہا، اگر میں چپ رہوں تو میرے دلائل کون پیش کرے گا۔

قاضی کی برہمی اور زیادہ ہوگئی، ڈانٹ کر کہا مجلس قضا میں لایعنی باتیں مت کرو۔

ایاس نے کہا لا الٰہ الا اللہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، کیا یہ بھی لایعنی ہے۔ یہ سن کر قاضی کی برہمی دور ہوگئی اور کہنے لگا "بخدا حق ہے"۔

نوجوان تعلیم میں منہمک رہا اور سرچشمہ علم سے سیراب ہوتا رہا یہاں تک کہ بڑے بڑے شیوخ اور اساتذہ بھی اس کے آگے تعظیم کا سر جھکانے لگے اور ان کے تلمذ کا شرف حاصل کرنے میں سبقت کرنے لگے، حالانکہ ابھی آپ کی کمسنی کا ہی زمانہ تھا۔

خلیفہ ہونے سے پہلے عبدالملک بن مروان ایک دفعہ بصرہ آئے، اس وقت ایاس کی مسیں ابھی نہیں بھیگی تھیں، اس نے دیکھا کہ چار دراز ریش قراء سبز قبا میں ملبوس ایاس کے پیچھے پیچھے ادب سے چل رہے ہیں، یہ دیکھ کر عبدالملک نے کہا افسوس ہے کہ یہ دراز ریش بزرگ قراء اس بچے کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں اور وہ آگے آگے کیا ان کو کوئی دوسرا شیخ نہیں ملا۔

پھر وہ ایاس کے طرف متوجہ ہوا اور پوچھا نوجوان بتاؤ تمہاری عمر کیا ہے؟

ایاس نے کہا، ابوبکرؓ وعمرؓ کے رہتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زیدؓ کو جس عمر میں امیر لشکر بنایا تھا، وہی عمر میری بھی ہے۔

یہ جواب سن کر عبدالملک بول اٹھا، یہ امامت تمہیں مبارک ہو، اللہ تمہیں مزید ترقی عطا کرے۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ لوگ رمضان کا چاند دیکھنے نکلے، ان میں سب سے آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگ صحابی حضرت انس بن مالکؓ تھے یہ ان کی پیرانہ سالی کا زمانہ تھا، توسن عمر سو سال کی منزلیں طے کر چکا تھا، لوگوں نے آسمان پر نگاہ دوڑائی، چاند نظر نہیں آیا، لیکن انس بن مالکؓ اپنی نگاہیں

آسمان پر جمے ہوئے کہہ رہے تھے کہ میں نے چاند دیکھ لیا، وہ دیکھو وہ ہے،
وہ جس طرف اشارہ کرتے، لوگ دیدے پھاڑ پھاڑ کر ادھر دیکھتے، لیکن چاند
نظر نہ آتا۔ بڑی پریشانی اور حیرت و استعجاب کا عالم تھا، اس وقت ایاسؒ
انس بن مالکؓ کے پاس آئے ان کے چہرے کو غور سے دیکھا، انھیں نظر آیا
کہ ان کے ابرو کا ایک لمبا سا بال، خم کھا کے آنکھ کی پتلی پر آگیا ہے، انھوں نے
ادب سے اجازت طلب کی اور بال کو اوپر اٹھا کر برابر کر دیا پھر پوچھا کہ اے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بتائیے کیا اب بھی چاند نظر آرہا ہے؟
حضرت انسؓ نے پھر آسمان پہ نظر دوڑائی لیکن کہیں چاند نظر نہ آیا۔

ایاسؒ کی ذہانت کے واقعات کی بڑی شہرت ہونے لگی اور لوگ دور دور سے علمی اشکالات لے لے کر ان کے پاس آنے لگے، بعض حضرات تو سچ مچ رفیع اشکال اور علمی استفادہ کی غرض سے آتے اور بعض دوسرے حضرات صرف بحث مباحثہ کا چٹخارہ لینے کے لئے آتے، اسی قبیل کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دیہاتی آپ کے پاس آیا اور یہ سوال و جواب ان دونوں میں ہوا۔

دیہاتی:۔ بتائیے کہ نشہ آور اشیاء کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ایاس:۔ وہ حرام ہیں۔

دیہاتی:۔ ان کے حرام ہونے کا سبب تو بظاہر کچھ سمجھ میں نہیں آتا، آخر وہ پانی اور کھجور کے سوا اور تو کچھ ہوتا نہیں، جب یہ چیزیں مباح ہیں تو پھر دونوں مل کر حرام کیوں ہو گئیں؟

ایاس:۔ تم اپنی بات کہہ چکے، یا کچھ اور کہنا باقی ہے۔

دیہاتی:۔ میں اپنی بات پوری کر چکا۔

ایاس:۔ بتاؤ اگر ایک مٹھی پانی سے تم کو ماروں تو تم کو چوٹ آئیگی؟

دیہاتی:۔ نہیں

ایاس:۔ بتاؤ اسی طرح اگر ایک مٹھی دھول سے تم کو ماروں تو تم کو چوٹ

آئیگی؟

دیہاتی:۔ نہیں۔

ایاس:۔ پھر بتاؤ کہ ایک مٹھی بھوسہ سے اگر تم کو مارا جائے تو چوٹ آئیگی؟

دیہاتی:۔ نہیں۔

ایاس:۔ اچھا تو اب بتاؤ کہ کیا ان تمام چیزوں کو باہم ملا دیا جائے اور پھر اسکو آگ پر پکا دیا جائے، پھر خشک کر دیا جائے، اس کے بعد اس سے تم کو مارا جائے تو چوٹ آئیگی یا نہیں؟

دیہاتی:۔ اب تو غضب کی چوٹ آئیگی، اور صرف چوٹ ہی نہیں بلکہ یہ مار جان لیوا بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

ایاس:۔ یہی حال پانی اور کھجور کا ہے، جب اسکو باہم ملا کر آگ پر پکا دیا جائے تو وہ حرام ہو جاتی ہے اس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے، اسکی ماہیت بدل جاتی ہے اور کسی چیز کی ماہیت بدل جائے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔

ایاسؒ کو جب بصرہ کا قاضی مقرر کیا گیا تو معاملات کا تصفیہ کرنے میں ان کی ذہانت حقیقت کی دریافت کا ملکہ، حق کو بھانپ لینے کی صلاحیت تدبیر کی کارگیری کے بڑے حیرت زا زاویے سامنے آئے۔

ایک بار دو آدمی اپنا معاملہ لیکر ان کے پاس آئے، ایک کا دعویٰ تھا کہ اس نے کچھ روپے بطور امانت دوسرے کے پاس رکھے تھے، لیکن دوسرا شخص انکار کر رہا تھا۔

ایاس نے مدعی علیہ سے امانت کے بارے میں پوچھا تو اس نے ان سے بھی انکار ہی کیا اور کہا کہ اگر اس کے پاس کوئی گواہ ہو تو پیش کرے ورنہ میں قسم کھاتا ہوں ایاس سمجھ گئے کہ یہ تو جھوٹی قسم کھا کر روپے ڈکار جائیگا، تب انھوں نے امانت رکھنے والے سے پوچھا کہ کیا تم کو وہ جگہ معلوم ہے جہاں تم نے یہ امانت اس کے حوالے کی تھی۔

مدعی نے اثبات میں جواب دیا کہ ہاں فلاں جگہ

ایاس نے پھر پوچھا کہ کیا اس جگہ کوئی دوسری چیز بھی تھی؟

مدعی: وہاں ایک بہت بڑا پیڑ تھا جس کے سایے میں بیٹھ کر ہم نے کھانا کھایا تھا پھر کھانے کے بعد وہ رقم اس کے حوالہ کی تھی۔

ایاس: تم اس جگہ جاؤ جہاں وہ درخت ہے، شاید وہاں پہنچ کر تمہیں یاد آجائے کہ تم نے اپنے روپے کہاں رکھے تھے؟ پھر واپس آکر مجھے بتاؤ کہ تم نے وہاں کیا دیکھا؟ مدعی وہ جگہ دیکھنے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ایاس نے مدعی علیہ سے کہا کہ اس کے واپس آنے تک تم یہیں بیٹھے رہو، وہ بیٹھ گیا۔

ایاس اب دوسرے معاملات میں غور و فکر کرنے اور فیصلہ سنانے لگے لیکن کنکھیوں سے مدعی علیہ کا بھی جائزہ لیتے رہے، جب انھوں نے دیکھا کہ مدعی علیہ اطمینان غفلت میں کھو چکا ہے اور اپنے معاملے کو بھول سا چکا ہے تو اچانک اس سے پوچھا کہ بتاؤ کیا تمہارا ساتھی وہاں پہنچ چکا ہوگا جہاں اس نے امانت تمہارے حوالے کی تھی؟

مدعی علیہ نے بے سوچے سمجھے فوراً جواب دیا کہ نہیں، وہ ابھی نہیں پہنچا ہوگا، وہ جگہ یہاں سے کافی دور ہے۔

تب ایاسؒ نے کہا اللہ کے دشمن، جس جگہ روپے لئے تھے وہ جگہ تو یاد ہے لیکن روپیہ تم کو یاد نہیں ہے۔ تم ضرور خائن ہو۔

مدعی علیہ ہکا بکا منہ تکتا رہ گیا، آخر اس نے امانت کا اقرار کرلیا اور جب صاحب امانت واپس آیا تو اسکو اسکی امانت واپس لوٹائی۔

قسط دوم

احیاء امت اور اس کے مطالبات

(قرآن و سنت کی روشنی میں)

عبد المعز سلفی فلاحی

ڈی۔22، ابو الفضل انکلیو، نئی دہلی۔25

سمع و طاعت سے بے نیازی کا انجام

اسلام اجتماعیت کا دین ہے وہ نظام امت کا داعی ہے۔ اسلام اس بات کو جائز نہیں رکھتا ہے کہ آدمی فرد بن کر رہے اور شریعت کے منتشر احکام کی حسب ذوق پیروی کرتا رہے۔ اس کے برعکس وہ یہ چاہتا ہے کہ مسلمان پورے دین پر عمل پیرا ہوں سمع و طاعت کے ذریعہ دین کے ہمہ گیر تقاضوں کو انجام دیں۔ ظلم و سرکشی کا انسداد کریں عدل و انصاف کے قائم کرنے والے اور اللہ کی بندگی و طاعت کو نافذ کرنے والے ہوں۔

مسلمانوں کی موجودہ حالت، انتشار پراگندگی کی حالت ہے یہ اسلامی زندگی اور اس کے خدوخال سے دور اور جاہلیت سے قریب تر ہے۔ اطاعت شعار بندوں کیلئے اللہ کا پیغام یہ ہے واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا (25) اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو اور ٹکڑوں میں نہ بٹو۔ ایک دوسری جگہ فرمایا گیا واطيعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا ان الله مع الصابرين (26) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑے پیدا نہ کرو ورنہ تم کمزور پڑجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی صبر سے کام لو اور یقین جانو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ان آیات میں وہ تمام جھگڑے باطل اور مردود ٹھہرا دئے گئے ہیں۔ خواہ وہ سماجی و سیاسی ہوں، تحریکی و تنظیمی ہوں، نسلی و خاندانی ہوں یا مسلکی

گروہی جھگڑے ہوں مگر یہ ہماری بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے کہ خود غرضی و نفس پرستی کے سبب باہمی افکار و نظریات کے تحت اور طاغوتی سیاسی پارٹیوں کی ماتحتی میں حزبیت کا شیرازہ بکھرا جا رہا ہے اور مسلمان ہر چوٹی کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔

آیات و احادیث کے الفاظ بڑے فکر انگیز ہیں۔ تفرقہ و تنازعہ سے بچئے تسلی و خوشیوں میں پسند و ناپسند ہونے کی صورت میں حبشی غلام اور نامقبول قیادت ہو جب بھی اپنے نفس کے ساتھ اطاعت فرض قرار دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ تم کمزور پڑ جاؤ گے اس دنیا میں تمہاری حیثیت حزب اللہ کے ایک سپاہی کی ہے۔ حزب اللہ کے قائد اور امیر سے تنازعہ کرو اور اس کے حکم سے سرتابی کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ برآمد نہ ہوگا کہ حزب الشیطان کے مقابلہ میں تم کمزور پڑو تمہارا رعب و دبدبہ اور قوت و سطوت ختم ہو جائے اور عام سوسائٹی میں اپنی کمزوری کی بنا پر تم ذلیل اور ماتحت ہو جاؤ اور دشمن تم پر غالب آجائے جبکہ تمہاری شان اور مطلوب کردار یہ ہے واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدو كم وآخرين من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم (27) جس قدر تم سے ممکن ہو سکے اور پلے ہوئے گھوڑے سے سامان جنگ تیار رکھو اور اس کے ذریعے اللہ کے اور اپنے معلوم دشمنوں کو خوف زدہ رکھو اور ان کے علاوہ بھی ان دشمنوں پر اپنا دبدبہ قائم رکھو جن کی تمہیں خبر نہیں ہے مگر اللہ انہیں خوب جانتا ہے۔

یہ صورت حال تبھی ممکن ہے جب امت مسلمہ اپنی قیادت کے تحت ایک مرکز پر جمع ہو اور اختلافات کے باوجود ملت کی وحدت و مرکزیت میں کوئی رخنہ پیدا نہ ہو اجتماعی اور نجی زندگی میں جذبات مجروح ہوتے ہیں خواہشات اور تمناؤں کا گلا گھونٹنا پڑتا ہے۔ بسا اوقات اپنے سے کمتر آدمی کے ماتحت رہ کر اس کے احکام اور فیصلوں کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ کبھی جائز شکایتیں ہوتی ہیں مگر قابل توجہ نہیں سمجھی جاتیں دل شکنی اور دل آزاری کے تازیانے بھی آتے ہیں۔ فیصلوں میں ناانصافی و حق تلفی کے بھی امکانات ہیں۔ ان حالات میں نفس کی بے لگامی یا بغاوت تک شورش برپا کئے رکھتی ہے لیکن تمدنی شعور کا تقاضا یہ ہے کہ صبر کی روش اختیار کی جائے کیونکہ اسلام کی راہ نفس

پرستی کی نہیں اللہ کی رضا جوئی کی راہ ہے۔ اللہ ان لوگوں کی رفاقت و معیت میں ہے جو اپنے نفس کو ناپسندیدہ باتوں پر صرف اس کی خوشی کے لئے جمائے رکھتے ہیں جو ان کا مالک و پالنہار ہے۔

بیسویں صدی کا المیہ

عہد صحابہ سے لے کر اس صدی کے ربع اول تک مسلمانوں کا تمدنی شعور بہت بیدار اور قیادت و امارت کی حکمت و مصلحت سے وہ آگاہ تھے یہی وجہ ہے کہ زمانہ نے ہزاروں رنگ بدلے۔ امت بہت سے حادثوں اور المیوں سے دوچار ہوئی مگر اس کی سلامت روی متاثر نہیں ہوئی جب بھی نظم امارت میں کوئی خلل واقع ہوا بہت جلد ملت نے اس رخنے کو بھر دیا اور پھر تازہ دم ہو کر اپنے فرائض حیات میں مصروف ہوگئی۔ مگر بعد کو مسلمان اس کی حفاظت و رعایت نہ کر سکے اور قانون الٰہی کے مطابق ان کی قوت و شوکت فنا ہوگئی۔ یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ اللہ کی آیات اور احکام کی تعمیل نہیں کی گئی جبکہ اللہ تعالیٰ نے واضح ہدایت دی تھی ولا تكونوا كالذين تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءهم البينات واولئك لهم عذاب اليم (28) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو ٹکڑوں میں بٹ گئے اور روشن دلیلیں آنے کے بعد اختلاف میں پڑ گئے یہ وہ لوگ ہیں جن کیلئے بڑا عذاب ہے۔ وكيف يهدى الله قوما كفروا بعد ايمانهم وشهدوا ان الرسول حق وجاءهم البينت والله لا يهدى القوم الظالمين (29) اللہ ان لوگوں کو ہدایت کیوں کر دے سکتا ہے جو ایمان لانے اور رسول کی صداقت کی گواہی دینے اور روشن دلیلیں پالینے کے بعد بھی کفر و انکار کی روش اختیار کرلی اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ اسلام کا نظام امارت و مرکزیت اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کا ذریعہ ہے اس لئے اس کو قائم کرنا فرض قرار دیا گیا ہے اور اس کو توڑنے اور بکھرے دینا، بکھراؤ اور انتشار پر راضی رہنا غضب الٰہی کا انکار ہے کیونکہ اس حالت میں نہ اللہ اور رسول کی پیروی ممکن ہے اور نہ اللہ کے قوانین اور حدود کا قیام و نفاذ ممکن ہو سکتا ہے۔ چونکہ جمع و وحدت کو توڑنا اللہ اور رسول کے نظام سے

بغاوت ہے اس لیے ایسے شخص کی موت جاہلیت کی موت قرار دی گیا اس اجتماعیت سے خارج ہونے والے کو شیطان کے ذریعہ اچک لیے جانے کی دھمکی دی گئی ہے اس طرح ریوڑ سے بچھڑنے والی بھیڑ کو بھیڑیے کا شکار بن جانے کی آگہی دی گئی ہے۔

قابل غور پہلو

کتاب و سنت کے حکم کے مطابق ملت مسلمہ کے تمام گروہوں کو خواہ وہ نسلی، قبائلی، مسلکی ہوں یا جماعتی، تنظیمی یا سیاسی انہیں ایک درجہ تر اور منظم امارت کے تابع اور ماتحت ہونا چاہیے آیت امارت پر ایک گہری نظر ڈالیے اس کے مسائل اور تقاضے ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔

یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ و الرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر ذالک خیر واحسن تاویلا (30) اے اہل ایمان اللہ اور اس رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں ان لوگوں کی جو صاحب امر ہوں پھر جب تم کسی معاملہ میں جھگڑ پڑو تو اس مسئلہ کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔ اگر تم اللہ اور روز آخرت پر یقین رکھتے ہو یہ روش تمہارے لئے بہتر اور نتیجہ کے اعتبار سے خوشگوار ہے

اس آیت میں چند پہلو غور طلب ہیں ایک یہ کہ اللہ اور رسول کی اطاعت دائمی، غیر مشروط اور ہر حال میں واجب ہے دوسرا پہلو یہ ہے کہ اولی الامر کی اطاعت مستقل بالذات نہیں بلکہ اللہ اور رسول کی اطاعت کے ماتحت ہے اور ان کی بتائی ہوئی حدود کے اندر ہے تیسرا پہلو یہ ہے کہ قیادت و امارت کا مسلمان ہونا ضروری ہے غیر مسلم قیادت کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ مسلم قیادت ہی قابل اتباع ہے۔ اس کا چوتھا پہلو یہ ہے۔ تمام احتیاط کے باوجود اگر کوئی تنازعہ اٹھ کھڑا ہو تو اپنے موقف پر عقل سے دلیل قائم کرنے اور اکثریت اسے حاصل کرنے کے بجائے اللہ کی کتاب اور حدیث رسول کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور کتاب و سنت میں جو صراحت، اشارات یا رہنمائی

میسر آجائے اس کے مطابق متنازعہ فیہ مسئلہ کا تصفیہ (Resoive) کیا جائے جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں اس کا پانچواں اور انتہائی اہم پہلو یہ ہے کہ ذالک خیر واحسن تاویلا یہ بڑا موزوں طرز عمل ہے اور اس کا نتیجہ بھی بہت اچھا اور خوشگوار ہے۔

یہ وہ اہم نکات اور پہلو ہیں جو اسلامی نظام اجتماعیت کی روح ہیں۔ اس صورت میں کبھی کوئی فتنہ سر نہیں اٹھا سکتا اور اس پر عمل کرتے ہوئے ملت کبھی اختلال (Disturbance) کا شکار نہیں ہو سکتی۔ ایک دوسری جگہ مسلم معاشرہ کو ہدایت دی گئی ہے فرمایا فاذا جاء امر من الامن اوالخوف اذا عوابہ ولو ردوہ الی الرسول و الی اولی الامر منہم لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطان الاقلیلا (31) امن اور خوف سے متعلق کوئی بات جب ان کے سامنے آتی ہے تو اس کو پھیلا دیتے ہیں اور اگر اس کو رسول اور اولی الامر کی طرف لوٹاتے تو یقیناً اس کی حقیقت کو ان میں وہ لوگ سمجھ لیتے جو تحقیق کرنے والے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحم نہ ہوتا تو سوائے چند کے تم شیطان کی ضرور پیروی کرتے۔

اس آیت کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو زکوۃ وصول کرنے کیلئے ایک قوم کے پاس بھیجا وہ قوم اپنے نبی کے تحصیلدار کے استقبال کو نکلی انہوں نے یہ خیال کیا کہ وہ بغاوت پر آمادہ ہیں اور برے ارادے سے میری طرف آرہے ہیں چنانچہ وہ مدینہ لوٹ آئے اور مشہور کر دیا کہ فلاں قوم مرتد ہو گئی ہے جب اللہ کے رسول کو بات معلوم ہوئی اور تحقیق حال کیلئے کچھ دوسرے لوگوں کو بھیجا صورت حال واضح ہوئی۔ ایک اور مقام پر ہدایت دی گئی۔ یا ایھا الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا قوما بجہالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین (32) اے اہل ایمان اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کرلو مبادا کسی قوم کو نادانی میں کوئی نقصان پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پچھتاتے پھرو۔

اس آیت کا پس منظر بھی سیرت نبوی کا ایک اہم سبق لیے ہوئے ہے واقعہ یہ

ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو قبیلہ بنی مصطلق اور ایک دوسری روایت کے مطابق بنی ولیعہ کے پاس زکوۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا ولید اور ان کے درمیان زمانہ جاہلیت میں عداوت تھی موصوف کو جاتے ہوئے کچھ اندیشہ ہوا چنانچہ جب اس قوم کو علم ہوا تو محض زکوۃ کو بڑھ کر استقبال کیا انہیں یہ گمان ہوا کہ میرے قتل کے ارادے سے وہ آرہے ہیں واپس آکر اپنے گمان کے مطابق تاویل کرتے ہوئے رپورٹ دی کہ وہ اسلام سے پھر گئے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو واقعہ کی تحقیق کیلئے بھیجا اور تاکید فرمائی کہ عجلت سے کام نہ لینا اطمینان سے تحقیق کرو اور بتاؤ کیا معاملہ ہے حضرت خالد نے معاملہ کو بالکل مختلف پایا اور اطلاع دی کہ طاعت اور خیر کے سوا میں نے اور کچھ نہیں دیکھا۔

ان ہدایات سے معلوم ہوا کہ متنازعہ فیہ مسائل کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانے کا ایک سسٹم ہونا چاہئے۔ مسلم معاشرہ میں ایسے صاحب امر ضرور ہونے چاہئیں جو پیش آمدہ مسائل، حالات اور اخبار سے صحیح نتائج اخذ کر سکتے ہوں اور حسب ضرورت اقدام کی قدرت و صلاحیت رکھتے ہوں ورنہ ملی مصالح اور ملکی مفادات ضائع ہوں گے آیت کا یہ ٹکڑا ولولا فضل الله ورحمته لاتبعتم الشيطن الا قليلا انتہائی فکر انگیز ہے اس آیت میں رسول اور اولی الامر کی طرف معاملات لوٹانے کی ہدایت کو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے تعبیر فرمایا ہے قانون شریعت کے مطابق معاملات کی تحقیق اور اس کے مطابق عمل نہ کرنے کو پیروی شیطان کا موجب قرار دیا ہے۔ اندازہ کیجئے کہ اطاعت رسول اور اولی الامر کے التزام کے بغیر جو زندگی گزاری جا رہی ہے اس کا کیا نتیجہ سامنے آرہا ہے۔ شیطان نفس کی پیروی اور طاغوت کی معصیت سیاسی پارٹی گروں کی صورت میں واضح ہے اور شیاطین جن کی پیروی کا حال یہ ہے کہ ہمارا خاندانی نظام اور اخلاق و تمدن بری طرح تباہ ہو رہا ہے اور نفسانیت کا عذاب معاشرہ پر مسلط ہو گیا ہے۔

ہمہ گیر قیادت کی ضرورت

اسلامی خطوط پر زندگی گزارنے اور بندگی رب کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے ایک ہمہ گیر امامت و قیادت کا وجود رہنا ضروری ہے جو مسلمانوں کو ہدایت و رہنمائی فراہم کرے، اور باشندگان ملک کے لئے امن و ترقی اور پاسبانی کی فکر کرے۔

- ملت مسلمہ اور دیگر ملتوں کیلئے دینی و تہذیبی خود اختیاری (Religious and Cultral Autonomy) کیلئے جدوجہد کرے۔ وسیع مفہوم میں اس کو یقینی بنانے تہذیبی جارحیت (Cultral Aggression) اور تہذیبی قومیت Cultral Nationalism کے خلاف مشترکہ لائحہ عمل (Action Plan) ترتیب دے۔
- معاشرہ کی تنظیم اور اصلاح کے لئے حاکمانہ اختیارات کا استعمال کرے۔
- ملت مسلمہ اور دیگر ملتوں کو صاحب حاکمیت Sevecign Nation ہونے یعنی ہر ملت اپنے ملی دائرہ عمل میں حکومت کے اختیارات استعمال کرے۔
- ملکی دستور میں مناسب ترمیم کے ذریعہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ ثقافتی مادی اور اقتصادی جبر کے ذریعہ کسی حال میں بھی کسی ملت کے تعلیمی و ثقافتی اداروں مذہبی امور، اوقاف، عبادت گاہوں اور مخصوص دینی، تمدنی اور معاشرتی مسائل جیسے نکاح، طلاق وراثت وغیرہ میں حکومت اور اس کے ادارے مداخلت یا مزاحمت نہیں کریں گے۔
- اپنے تصورات اور قوانین کے مطابق ہر قوم کا مستقل عدالتی نظام Judiciary System ہو جسے عام ملکی عدالتوں کی طرح تمام تحفظات و اختیارات حاصل ہوں اس ملت سے متعلق تمام مسائل انہی عدالتوں میں قابل قبول ہوں۔
- حکومت و سیاست اور عام ملکی و ملی امور میں متناسب حقوق اور نمائندگی Perpnal Rights and Representation کا اصول جاری و نافذ ہو یعنی ہر قوم و ملت کو تناسب آبادی کے اعتبار سے حقوق اور نمائندگی حاصل ہو۔ زندگی کے تمام شعبوں میں یہی اصول نافذ کیا جائے۔

ایک نفسیاتی بیماری، آزادانہ ماحول میں تندرستی کی روایت قائم ہو اور بلا کسی جبر

دائرہ اور رکاوٹ کے بغیر کوئی کو کسی عقیدہ کے رد و قبول کا اختیار حاصل ہو جب بھی امت مسلمہ کے نظم جماعت اور اتحاد و یگانگت کی بات کی جاتی ہے تو طرح طرح کے مسائل و موانع پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ایسا ممکن نہیں ہے اور اگر ممکن بھی ہے تو اس سے فائدہ کے بجائے الٹے نقصانات کا اندیشہ ہے اس سے زیادہ عبرت کی بات اور کیا ہوگی کہ جس ملت کو ایک عظیم مقصد کے لئے اٹھایا گیا ہو اور زمین کی وراثت و خلافت جن کے حوالہ کی گئی ہو وہ اپنی ماتحتی و مجبوری کو پسندیدہ خیال کرنے لگے اور اس مقصد کے لئے اٹھنے کے بجائے اپنی محکومی کے حق میں استدلال فراہم کرنے لگے نظم جماعت اور مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریک امامت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں۔

"چند سال پہلے جب اس کیلئے موسم مناسب تھا محض اس لئے بعض اکابر نے اس سے پہلو تہی کی کہ تمام مسلمان اس پر متفق نہیں ہو سکتے اس لئے جب تک اتفاق عام نہ ہو جائے اس کو قائم نہ کیا جائے میری رائے میں یہ حد درجہ غلطی ہے یہ ناممکن ہے کہ کسی طاقت کے بغیر تمام مسلمان از خود ایک مرکز پر متفق ہو جائیں اس لئے اس خیال خام سے ہٹ کر ہم کو صرف یہ کرنا چاہئے کہ صوبوں میں اس کے متعلق کوششیں کریں۔ جن صوبوں میں مسلمان بالکل صفر ہیں وہاں اس کی سب سے پہلے ضرورت ہے اور جس قدر مسلمان بھی اس مسئلہ پر متفق ہو سکیں اور اس تحریک پر آمادہ ہو سکیں ان کو ساتھ لے کر آگے بڑھنا چاہئے۔ آئندہ اس سلسلہ کی خود وسعت ہوتی رہے گی تا آنکہ کسی وقت تمام مسلمان اسی حلقہ میں آجائیں اسلام کے عقیدہ میں نظم و جماعت کے بغیر ہم صحیح اسلامی زندگی پر یقینا قائم نہیں ہیں۔ **نصب الامامۃ واجب**"۔

"جو لوگ اس حقیقت کی تسلیم سے اختلاف کرتے ہیں کیا وہ امارت کے اصول مسئلہ پر اعتقاد نہیں رکھتے کیا ان کے نزدیک مسلمانوں کی اتنی بڑی آبادی میں کسی امارت کی ضرورت نہیں۔ یہ کہنا کہ امارت کیلئے قوت و اقتدار ضروری چیز ہے صحیح ہے لیکن یہ کامل امارت کی شرط ہے۔ مسئلہ کی صورت تو یہ ہے کہ اگر مسلمان کسی امر واجب کے ادا کرنے کی کما حقہ اس کو پورے شرائط کے ساتھ ادا کرنے پر قادر نہیں ہے تو کیا

وہ واجب اس سے ساقط ہو جائیگا یا حسب استطاعت جہاں تک اس کی وسعت و قدرت میں ہو اس کو ادا کرنا ضروری ہے۔ نماز کے لئے قیام و قعود اور قرآن پڑھنا ضروری ہے لیکن اگر کوئی بیمار، اپاہج یا گونگا اس پر قدرت نہ رکھے تو اس سے نماز ساقط ہو جائیگی؟ یا نماز واجب رہے گی اور اس کو ادا کرنا اس کی طاقت اور وسعت کے مطابق فرض ہوگا؟
لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا"(33)

مولانا سید سلیمان ندوی نے مسلمانوں کی تنظیمی مرکزیت اور نصب امامت پر ہندوستان کے پس منظر میں استدلال کرتے ہوئے چھٹی صدی ہجری میں ایران و خراسان ترکستان اور عراق وغیرہ پر کافر تاتاریوں کے تسلط کے بعد علماء وقت کے اس مطالبہ کا حوالہ دیا جس میں انہوں نے مسلمان والی کے تقرر کا مطالبہ کیا تھا اس کے علاوہ انہوں چین میں سلیمان تاجر کے حوالہ سے تیسری صدی ہجری کی مسلم نوآبادیات اور تجارتی مراکز میں مسلم مرکزیت، چوتھی صدی ہجری میں ہندو راجوں کے قلمرو میں مسلمانوں کے نظام قضا کا حوالہ بزرگ بن شہریار کے سفرنامہ عجائب الہند اور مشہور سیاح مسعودی وغیرہ کے حوالہ سے مسلمانوں کی مرکزیت اور نظام امارت و اطاعت کے تئیں مسلمانوں کے ملی احساس کا ثبوت فراہم کیا ہے۔(34)

اقدام کی ضرورت

کتاب و سنت کے احکام، معتبر اہل علم کی رائیں اور تاریخ کی شہادت ضروری تفصیل کے ساتھ آچکی ہے اس لئے ہمارے لئے سب سے ضروری ہے کہ ملی سطح پر متقی و باصلاحیت قیادت پیدا کریں اس کے ساتھ ایک ہمہ گیر سٹرکچر پورے ملک میں تشکیل دیا جائے جو مرکزی قیادت کی رہنمائی میں ریاستی و علاقائی قیادت کے فرائض انجام دے۔ اسلامی نظام میں قیادت و رہنمائی کی سب سے زیادہ قوت و صلاحیت علماء حق کے اندر پائی جاتی ہے اس لئے کہ کتاب و سنت کا گہرا علم، نبوت و حکمت کی مزاج شناسی، عمل صالح، زہد و تقوی، بے نفسی و خیر خواہی میں امت کے عام گروہوں اور افراد پر وہ فضیلت رکھتے اور قابل ترجیح ہیں۔ امت اسلامی دراصل انہی سے اور علماء اس کے قائد اور رہنما

ہیں۔ علماء حق انبیاء کا تسلسل ہیں انما العلماء ورثة الانبياء (35) علماء انبیاء کے وارث ہیں انما يخشى الله من عباده العلماء (36) اللہ کے بندوں میں وہی لوگ اس سے ڈرتے ہیں جو اس کے اسماء و صفات کا علم رکھنے والے ہیں۔ قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون انما يتذكر اولو الالباب۔ (37) ان سے پوچھو وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور جو اس سے بے بہرہ ہیں درجہ میں مساوی ہو سکتے ہیں عقل رکھنے والے ہی اس کا فہم رکھتے ہیں۔

مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت اسلامی قیادت اور نظام سمع و طاعت کا قیام ہے۔ مسلمانوں کی قیادت کا بدل ایسے باخبر اور بڑے عالم کو سونپی جانی چاہئے جس پر زیادہ سے زیادہ لوگ اتفاق و اطاعت کے لئے آمادہ ہو سکیں۔ امیر کی اطاعت، تعاون اور تقویت و مشورے کے لئے مجلس شوریٰ تشکیل دی جائے جس میں علماء، ائمہ، دانشور، مختلف شعبوں کے ماہرین اور زندگی کے تمام دائروں سے تعلق رکھنے والے ایسے باصلاحیت افراد ہوں جن کی اسلام اور ملت اسلام سے وابستگی اور وفاداری مشکوک نہ ہو اور سیرت و کردار کے اعتبار سے اس درجہ مضبوط ہوں کہ کسی بھی قیمت پر وہ خریدے نہ جا سکیں۔ مختلف شعبوں کی منصوبہ بندی اور اس کے اجراء نفاذ کے لئے ایک فعال سکریٹریٹ قائم ہو جس میں تمام گروہوں، مسالک اور جماعتوں کو منصفانہ اور متوازن نمائندگی حاصل ہو۔

ملت کے احیاء و تنظیم کے لئے دور رس اور نتیجہ خیز منصوبے بنائے جائیں، جو کسی بھی حال میں تشنج، ردوبدل اور تناؤ و سرد مہری کا شکار نہ ہوں ملت کے اندر ایثار و قربانی، جذبہ جہاد، اور تعمیری سوچ Positive Outlook پیدا کی جائے، شورائیت اور تعمیری مزاج پروان چڑھایا جائے۔ اس کے ساتھ ہی ہنگامی اور وقتی مسائل کے لئے میقاتی پروگرام بنائے جائیں۔

پروگرام کا تفصیلی خاکہ

1۔ اقامت توحید اور شہادتین کی تشریح و تفصیل اور معنویت سے مسلم معاشرہ کو

روشناس کرانا

2۔ مسلمانوں کو اقامت صلوٰۃ کا خوگر بنانا

3) احیاء زکوٰۃ کا ہمہ گیر نظم۔ مرکزی و مقامی بیت المال کا قیام جس میں زکوٰۃ، صدقات، عشور، فطرہ، چرم قربانی، نفلی صدقات عطیات اور اوقاف کی آمدنی جمع کی جائے۔ غرباء و مساکین اور دیگر منصوص مدوں، مدارس، اداروں، جماعتوں، علماء، ائمہ، ہمہ وقتی کارکنوں، سماجی رفاہی اور فلاحی منصوبوں اور دیگر اجتماعی امور پر بیت المال کی رقم شوریٰ کے مشورے سے خرچ کی جائے۔

4۔ صوم رمضان کے مقاصد کے حصول کے لئے خصوصی منصوبہ بندی اور تزکیہ و طہارت کا پروگرام بنایا جائے اور اسلامی ثقافت کو فروغ دینے کی کوشش کی جائے۔

5۔ حج کی برکتوں کو موثر اور نتیجہ خیز طور پر حاصل کرنے کے لئے حج کمیٹیوں یا دیگر سب کمیٹیوں اور اداروں کی سطح پر کوشش کی جائے۔

6۔ مدارس، مساجد اور دیگر دینی و ثقافتی اداروں کو مرکزیت حاصل ہو اور انہیں حالات اور اس کے تقاضوں سے مربوط ہم آہنگ کیا جائے۔

داخلی سطح پر

1۔ مساجد اور مدارس کے تعاون سے ایمان و عمل صالح کی تحریک چلائی جائے۔
2۔ زندگی کے تمام معاملات میں کتاب و سنت اور حکمت کا اجراء اور پیروی ہو
3۔ زندگی کے تمام اجتماعی و انفرادی گوشوں سے بدعت و انحراف کا ازالہ ہو۔
4۔ معاشرہ میں امن و استحکام کو یقینی بنایا جائے۔
5۔ تعمیری، تعلیمی اور ثقافتی اداروں کا احیاء و تنظیم
6۔ سیاسی و انتظامی اداروں کا قیام
7۔ عدالتی نظام (دارالقضاء) کا احیاء

خارجی سطح پر

1. غیر مسلم پڑوسیوں سے دعوتی رشتہ استوار و مستحکم کیا جائے
2. انسانی رشتہ اور پڑوسی کی حیثیت سے حسن و احسان کا سلوک کیا جائے
3. انسانی و اخلاقی اقدار مثلاً شراب بندی جوا و لاٹری کے خلاف بدکاری و فحاشی کی روک تمام کمزوروں اور مظلوموں کی داد رسی فلاحی اسکیموں سوسائٹی کی مغرب پرستی (westernisation) کے خلاف اور اس کے ارتقاء (Advansment) کے لئے غیر مسلم افراد اور گروہوں سے تعاون و اشتراک۔
4. مسلم اشوز اور بین المذاہب مسائل و معاملات پر ڈائلاگ اور اس کے لئے باصلاحیت اور ذہین کارکنوں کی تیاری
5. عالمی و ملکی مسائل، طبقات اور رویوں پر رد عمل کا اظہار اور اسلامی زاویہ فکر پر نظریہ سازی و مفاہمت کی کوشش۔
6. اسلامی بنیادوں پر لین دین۔ تجارت و معاملات مثلاً بلا سودی قرض، تعلیم، صحت اور کاروبار وغیرہ خاص طور پر مظلوم، کمزور اور پسماندہ اقوام و قبائل کے ساتھ۔

ملی سطح پر

1. اوقاف کی تنظیم نو اور مسلم قیادت کو اسے منتقل کیا جائے۔
2. حرفت و صنعت اور فینانس و تجارت کی حوصلہ افزائی و تنظیم اور پیش روی
3. اسکول کی سطح پر تعلیم کو مفت اور لازم قرار دیا جائے۔
4. موجود تعلیمی اداروں کو مفید و موثر بنایا جائے اور حسب ضرورت نئے ادارے قائم کئے جائیں
5. مفت یا معمولی قیمت پر طبی سہولت فراہم کی جائیں اور اس سلسلہ میں حسب حال شدہ خاتوں کی تنظیم و تشکیل اور منصوبہ بندی کی جائے
6. ابلاغ و ترسیل کے جدید ذرائع کے حصول کو ممکن بنایا جائے۔

7. داخلی و خارجی فتنوں کے تدارک، دور بین اور درست واقفیت کے لئے (Future Vision) Policy Studies یا Issues Watch Cell قائم کئے جائیں۔
8. مختلف شعبوں میں بیداری و فکر سازی کے لئے علم و تحقیق کی اسلامی روایت کو زندہ کیا جائے۔
9. عالم اسلام اور عالم انسانیت سے دینی، علمی ثقافتی اور تجارتی و دعوتی روابط پیدا کئے جائیں۔

حاشیات اور حوالے

25) آل عمران 3۔ 103
26) انفال 8۔ 46
27) انفال 8۔ 60
28) آل عمران 3۔ 105
29) آل عمران 3۔ 86
30) نساء 4۔ 59
31) نساء 4۔ 83
32) حجرات 49۔ 6
33) خطبہ صدارت جامعہ سالانہ جمعیۃ علماء ہند منعقدہ کلکتہ 1926ء
34) تفصیل کے لئے دیکھئے حیات سلمان ص 420۔ 454
35) ترمذی
36) فاطر 28۔ 35
37) زمر 39۔ 9

غزل

ایم۔ اے شمسی

سیکھا ہی نہیں ہم نے انجام سے ڈر جانا — ہر رنج و مصیبت سے آتا ہے گذر جانا
تم میری وفاؤں کا معیار پرکھتے ہو — یہ ظرف تمہارا ہے وعدے سے مکر جانا
روداد محبت کا انجام یہی ہوگا — پھولوں کی طرح اک دن شاخوں سے جھڑ جانا
پھر درد اٹھا دل میں پھر یاد تیری آئی — پھر آیا خیالوں میں خوابوں کا بکھر جانا
شمسی میں نہیں ڈرتا انداز تغافل سے — آتا ہے مجھے ان کی آنکھوں میں اتر جانا

پہلی قسط

مصرف چرم قربانی

شاہد بدر فلاحی علیگ
سنجرپور، ککرہٹہ۔ اعظم گڑھ

تمہید: حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی عظیم قربانی کی سنت کے طور پر مسلمان ہر سال دنیا کے گوشے گوشے میں اللہ کی راہ میں بے عیب جانور کی قربانی پیش کرتے ہیں اور تاقیامت پیش کرتے رہیں گے۔ قربانی ہر مستطیع مسلمان پیش کرتا ہے اور خالص اللہ کے لئے کرتا ہے خون کو زمین جذب کر لیتی ہے گوشت کھا کھلا کر ختم ہو جاتا ہے اور چمڑا بچ جاتا ہے قربانی کا یہی وہ حصہ ہے جس کیلئے مدارس عربیہ اور دینی و دعوتی کام کرنے والی تنظیمیں بھاگ دوڑ کرتی ہیں۔ فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں جزئی تفصیلات کے باوجود بھی یہ مسئلہ فی زمانہ از سر نو غور و فکر اور بحث و تحقیق کا متقاضی ہے بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کام کرنے والی تحریکوں کے لئے اس کا استعمال ممنوع قرار دیتے ہیں۔ چرم کو زکوٰۃ کی مد میں شامل کرتے ہیں۔ ناگزیر صورت حال میں حیلۂ تملیک سے کام لیتے ہیں۔ لادینیت کے خلاف معرکہ آرائی کرنے والے اور باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غلبۂ اسلام کیلئے کوشاں جماعتوں پر اس مالی امداد کا دروازہ بند کر کے نادانستہ طور پر ان کو کمزور کرتے ہیں۔

چرم قربانی کے مصارف سے متعلق عصر حاضر کے علماء و مجتہدین کی آراء پیش کر کے ہم نے علماء کرام اور مفتیان عظام کو دعوت غور و فکر دی ہے کہ وہ اس پہلو سے مسئلہ کے حدود و ابعاد کا جائزہ لے کر دعوت دین کی کوششوں کو یقینی اور موثر بنانے کی راہ نکالیں۔

روح قربانی دراصل یہ عمل ابراہیم خلیل اللہ کی عظیم سنت ہے فرزندان توحید اللہ کی بارگاہ میں جانور ذبح کر کے اس عہد کو تازہ کرتے

ہیں کہ بوقت ضرورت ہم اپنی جانوں کا نذرانہ بھی اسی طرح پیش کر دیں گے دراصل دلوں کی یہی کیفیت اللہ کو مطلوب ہے۔ ارشاد باری ہے۔

"لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ"

(سورۃ الحج: ۳۷)

اللہ کو نہیں پہونچتا قربانی کا گوشت اور خون۔ اسکو پہونچتا ہے تمہارے دلوں کا تقویٰ۔

لحم اضحیہ   قربانی کا گوشت

اللہ کے حکم کی بجا آوری اور سنت براہیمی کی پیروی خون بہا دینے سے پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ اسلامی قوانین کی جامعیت ہے کہ اللہ کی رضا کیلئے کئے گئے کام کے عوض دنیاوی حسنہ بھی حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ حج میں فرمایا۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا ...... فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ

(سورۃ الحج: ۳۶)

اللہ نے اونٹ کو تمہارے لئے اپنی نشانیوں میں سے بنایا ہے اس میں تمہارے لئے خیر ہے بس اس پر اللہ کا نام ذکر کرو اور اس کو کھڑے رہنے کی حالت میں نحر کرو اور وہ جب زمین پر گر پڑیں تو ان کا گوشت کھاؤ اور اس میں سے سائلین کو اور بغیر سوال کئے ہوئے کھانا چاہنے والوں کو اور محتاجوں کو کھلاؤ۔

آیت مذکورہ میں قانع اور معتر عام ہے اس لئے مسلم اور غیر مسلم سائلین اور محتاجوں کو قربانی کا گوشت کھلا سکتے ہیں۔

علامہ ابن قدامہ المغنی میں لکھتے ہیں۔

"ویجوز ان یطعم منها كافرا وبهذا قال الحسن وابو ثور واصحاب

الذمی وقال مالک غیرھم احب الینا" (المغنی ج ۸ ص ۶۳۳)

"یعنی کافر کو قربانی کا گوشت کھلانا جائز ہے اور یہی فتویٰ دیا ہے امام حسن بصری اور ابو ثور اور اصحاب الرائے نے اور امام مالک نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک غیر کافر کو دینا زیادہ پسندیدہ ہے۔"

قربانی کا گوشت کھانے کھلانے کیلئے کوئی حد متعین نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ خوب فراخی سے کھائیں اور کھلائیں۔

ایک بار محتاجی اور سائلین کی کثرت کی بنا پر اللہ کے رسول ﷺ نے صرف تین دن تک قربانی کا گوشت استعمال کرنے کی تاکید کی تھی۔ لیکن بعد میں یہ پابندی اٹھا لی تھی

"حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے تین دن کے بعد تک قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا پھر اس کے بعد فرمایا کہ جس قدر چاہو کھاؤ اور توشہ بناؤ اور جمع کرو پس ہم نے کھایا اور توشہ بنایا" (بخاری ج ۱ ص ۸۳۲ و مسلم ج ۲ ص ۱۵۸)

جلد اضحیہ — چرم قربانی

قربانی کا چمڑا بھی قربانی کے گوشت کے حکم میں ہے "ان اللحم بمنزلۃ الجلد"
(ہدایہ آخرین کتاب الاضحیہ ص ۴۴۲)

اس طور پر گوشت جس طرح سے غنی و فقیر کو دے سکتے ہیں اور خود بھی استعمال کرتے ہیں بالکل ٹھیک یہی معاملہ چمڑے کا ہے۔ خود بھی استعمال کر سکتے ہیں اور ہدیۃً دے سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم فقہاء کی آراء پیش کر رہے ہیں۔

"ولا باس بالانتفاع بجلود الضحایا" (تبیین المسالک لتدریب السالک الی اقرب المسالک ج ۲ ص ۳۲۹)

"لو دبغه وانتفع به فی بیته جاز وکذلک اذا اشتری به ما ینتفع به فی بیته لان للبدل حکم المبدل ...... وقال یشتری به الغربال والجراب وما اشبه

ذلک ولا یشتری به الخل والمری والملح وما اشبه ذلک"
(المبسوط سرخسی باب الاضحیہ ج ۱۲ ص ۱۴)

"ویتصدق بجلدها او یعمل منه نحو غربال وجراب وقربة وسفرة ودلو او یبدله بما ینتفع به باقیا لا بمستهلک کخل ولحم" (در مختار ج ۵ ص ۲۳۱)

یعنی قربانی کرنے والا بذات خود چرم قربانی کو اپنے استعمال میں لا سکتا ہے وہ چمڑے کا مصلیٰ یا ڈول یا اس سے مشابہ چیز بنا سکتا ہے۔ اور اس کے بدلے وہ ایسی چیز بھی لے سکتا ہے جو باقی رہنے والی ہوں جیسے چھلنی، جراب وغیرہ۔ البتہ چمڑا فروخت کرکے ایسی کوئی چیز نہیں لے سکتا ہے جسے استعمال کرنے پر وہ چیز ختم ہو جائے جیسے نمک، سرکہ وغیرہ ـــــ امام محمد نے لکھا ہے کہ قربانی کرنے والا چمڑا فروخت کرکے کپڑا خرید کر پہن سکتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

"وانه لو اشتری باللحم ثوبا فلا باس بلبسه" (ہدایہ آخرین ج ۴ کتاب الاضحیہ ۴۴۷)

جس طرح وہ اس چمڑے کو خود استعمال کر سکتا ہے ایسے ہی وہ چمڑے کو بلا قید کسی بھی غنی، فقیر کو ہدیۃً دے سکتا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کا فتویٰ ہے۔

"جلد کا حکم لحم کے مثل ہے جس طرح لحم اضحیہ کا غنی کو دینا جائز ہے اسی طرح جلد بھی غنی کو دینا جائز ہے جب کہ اسکو تبرعاً دیا جائے اس کی کسی خدمت کے عوض نہ دیا جائے اور جب غنی کی ملک کر دیا جائے تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت اپنے تصرف میں لانا بھی مثل دیگر اموال مملوکہ کے جائز ہے"

(تتمہ ثانیہ امداد الفتاویٰ کتاب الاضحیہ ص ۱۰)

یہی نہیں بلکہ وہ چرم قربانی کو غنی و فقیر، سید و بنو ہاشم، کافر کو بھی تحفہ دے سکتا ہے۔

سوال: قربانی کی کھال کا جو تصدق کرنے کا اختیار ہے اس کو

کو دے سکتا ہے یا نہیں۔

جواب:۔ "ہاں دے سکتا ہے۔ فی الہدایہ واللحم بمنزلۃ الجلد۔ فی الصحیح۔۔
جب دونوں کا حکم ایک ہے اور لحم دینا ان سب مذکورین فی السوال کو جائز ہے
پس عین جلد بھی دینا درست ہے۔" ۲ محرم ۱۳۳۶ھ

(اشرف علی تھانوی کتاب الذبائح والاضحیۃ تتمہ جلد ثالث فتاویٰ امدادیہ صفحہ ۱۳۷)

ایک اور فتویٰ "عقیقہ کی کھال اور چرم قربانی بعینہ غنی و بنی ہاشم کو دینا درست ہے۔"

(۴ صفر ۱۳۳۳ھ حوالہ مذکورہ)

جس غنی یا فقیر کو کھال دی گئی وہ بعینہ اس کھال کو اپنے مصرف میں لا سکتا ہے اور اس کو فروخت کر کے اس کا پیسہ اپنے ذاتی کاموں میں لگا سکتا ہے ——— صرف معاملہ یہ ہے کہ قربانی کرنے والا اگر چمڑے کو بیچ دے تو اس کا صدقہ کرنا اس کے لئے لازم ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ چمڑے کو فروخت کر دیتے تھے اور اسکی قیمت کو صدقہ کر دیا کرتے تھے" (مغنی ابن قدامہ ج ۸ صفحہ ۶۳۵)

لہذا قربانی کرنے والے کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ چرم قربانی بیچ کر پیسہ اپنی ذات پر خرچ کرے۔ اس صورت میں فقہاء کے مابین اختلاف نہیں ہے ——— اختلاف اسکے بعد شروع ہوتا ہے بعض علماء و مجتہدین فقراء مساکین کے ساتھ ساتھ اس رقم کو اعلاء کلمۃ اللہ و غلبۂ دین کے لئے جاری کوششوں میں صرف کرنے کو درست مانتے ہیں۔ اور بعض اس شرط کے ساتھ درست مانتے ہیں کہ اگر ان کوشش کرنے والوں میں فقراء و مساکین ہوں تب جائز ہے ——— اور دیگر رفاہی کاموں میں بغیر حیلہ تملیک کے خرچ درست نہیں ——— چرم قربانی کو زکوٰۃ کا ہم معنی قرار دیتے ہوئے زکوٰۃ کی مدات میں خرچ کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور فی سبیل اللہ کو جہاد فی سبیل اللہ کے معنی میں لیکر اسکی وسعت کے قائل نہیں ہیں۔

سنت کا مفہوم

مولانا سید سلیمان ندوی

حدیث اور سنت دو علیحدہ اصطلاحیں ہیں، جن کے درمیان فرق کرنا بہت ضروری ہے، بالعموم ان دونوں کو مترادف سمجھ لیا جاتا ہے جسکی بنا پر مغالطے پیش آتے ہیں، مولانا سید سلیمان ندوی نے اس کی نہایت موثر اور دلنشین تشریح کی ہے، افادۂ عام کی غرض سے اس کے اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔ "عارف"

"آج کل لوگ عام طور سے حدیث و سنت میں فرق نہیں کرتے، اور اس کی وجہ سے بڑا مغالطہ پیش آتا ہے۔ حدیث تو ہر اس روایت کا نام ہے جو ذات نبویؐ کے تعلق سے بیان کی جائے خواہ وہ ایک ہی دفعہ کا واقعہ ہو یا ایک ہی شخص نے بیان کیا ہو مگر سنت دراصل عمل متواتر کا نام ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمل فرمایا، آپؐ کے بعد صحابہؓ نے کیا، پھر تابعین نے کیا۔ گو یہ زبانی روایت کی حیثیت سے متواتر نہیں مگر عملاً متواتر ہے۔ اسی طرح یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک واقعہ روایت کی حیثیت سے مختلف طریقے سے بیان کیا گیا ہو اس لئے وہ متواتر نہ ہو مگر اس کی عام عملی کیفیت متواتر ہو، اس متواتر عملی کیفیت کا نام سنت ہے۔

فرض کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی فرضیت کے بعد تمام عمر دن میں پانچ دفعہ پڑھتے رہے، آپ کے بعد تمام صحابہؓ کا یہی طریق عمل رہا، یہی تابعین کا رہا اور یہی روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا رہا، ان کا بھی جو امام بخاریؒ و امام مسلمؒ کے وجود سے پہلے تھے اور ان کا بھی جو انکے بعد ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی یہ پانچ وقت کی نماز اصطلاحی روایت متواترہ سے ثابت ہو یا نہ لیکن عمل متواترہ سے بلاشک وشبہہ ثابت ہے۔"

"کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان پانچ اوقات کا تعین اور اس طرح طریقہ نماز امام بخاریؒ یا امام مسلمؒ یا امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی وجہ سے مسلمانوں میں رواج پذیر ہے بلکہ یہ وہ عملیت ہے جو اگر یہ ائمہ دنیا میں نہ بھی ہوتے تو بھی اسی طرح عملاً ثابت ہوتی۔"

"احادیث میں اکثر کتاب وسنت کا لفظ ساتھ ساتھ آیا ہے، خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خطبوں میں ہے کہ "میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ جاتا ہوں کتاب اللہ اور اپنی سنت"۔ اس حدیث کی تشریح میں سنت سے مقصود ہر لفظی روایت اور عن عن کی حدیث نہیں ہے بلکہ آپؐ کا عمل متواتر اور موطا طریق ہے۔"

"قرآن پاک کے الفاظ کی جو عملی تصویر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائی وہی سنت ہے اور یہ گویا قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے جس کا مرتبہ احادیث کے لفظی روایات سے بدرجہا بلند ہے، سنت کے علاوہ اسی مفہوم کے لئے قرآن پاک، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے دوسرے الفاظ کا بھی استعمال کیا ہے۔ مثلاً سبیل، اسوہ وغیرہ۔ اس کے معنی چلے ہوئے راستہ اور پیروی کے ہیں، یعنی وہ راستہ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمر بھر چلے، تمام صحابہؓ چلے اور اکابر امت چلے، وہ سنت ہے، سبیل ہے، طریق ہے اور اسوہ ہے اور یہی وہ مفہوم ہے جس کے لئے امام مالکؒ نے موطا کا لفظ ایجاد کیا اور اپنے مجموعہ روایات کا نام رکھا، موطا کے لفظی معنی پامال اور روندے کے ہیں یعنی وہ پامال اور روندا ہوا راستہ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ گذرے ہیں، یعنی راستہ عملی اسلام کا ہے اور وہی قرآن کی عملی تفسیر ہے۔"

"قرآن میں سنت کا لفظ انہی معنوں میں بار بار آیا ہے، احادیث میں بھی انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے، قرآن پاک میں ہے۔ ولن تجد لسنة الله تبديلا کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ تم خدا کی زبانی روایتوں میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے یا یہ معنی ہیں کہ تم

خدا کے طریق اور طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

احادیث میں ہے من سن سنة حسنة فله اجرها کیا اسکے یہ معنی ہیں کہ کوئی اچھی زبانی روایت کرے گا تو اس کو اس قسم کی نیکیاں ملیں گی یا یہ معنی ہیں کہ جو شخص کوئی اچھا اور پسندیدہ راستہ یا طریقہ نکالے گا تو اس کو بھی اسکی نیکیاں ملتی رہیں گی۔

مشہور حدیث ہے۔ النکاح من سنتی، کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ نکاح میری زبانی روایت ہے یا یہ معنی ہیں کہ نکاح میرا طریقہ ہے۔"

"آیئے غور کریں کہ احادیث میں کیا کیا ہے اور اسکے کتنے حصے پر بحث کی جا سکتی ہے، احادیث کا بڑا حصہ درحقیقت تاریخی ہے، یعنی آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے حالات، سوانح اور واقعات کی روایتیں ہیں، ظاہر ہے کہ یہ کوئی قابل بحث چیز نہیں یہ تاریخ کا اسی طرح حصہ ہیں جس طرح دنیا کی اور تاریخیں ہیں، فرق یہ ہے کہ یہ تاریخ کا ایسا مستند و معتبر حصہ ہے جس سے زیادہ معتبر اور مستند حصہ دنیا میں موجود نہیں ہے مصر، ہندوستان، بابل، نینوا، سیریا، یونان و روم کس ملک اور کس قوم کی تاریخ ہے جو اس استناد، اس اعتبار، اس سلسلے کے ساتھ محفوظ ہے اور جو تنقید روایت کے اصول پر ایک لمحہ کے لئے بھی ٹھہر سکتی ہے۔

دوسرا حصہ اخلاق وحکم کا ہے، جس میں عقل وحکمت کی عمدہ عمدہ باتیں مثلاً جھوٹ کی برائی، عدل کی تعریف، علم کی خوبی وغیرہ بیان کی گئی ہے جن کی قرآن کے علاوہ خود فطرت انسانی تصدیق وتائید کرتی ہے......

تیسری چیز عقائد ہیں، اسلام کے ایک چھوٹے سے فرقہ کے سوا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ غالی اہل ظاہر کے سوا کوئی اس کا قائل نہیں، کہ عقائد کا ثبوت قرآن کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے ہو سکتا ہے کیونکہ عقیدہ نام ہے یقین کا، اور یقین کا ذریعہ صرف ایک ہے اور وہ وحی اور اس وحی کا تواتر ہے اس لئے عقائد کا ماخذ صرف قرآن پاک یا احادیث متواترہ ہیں، اہل حدیث کے ہاں احادیث متواترہ کا مطلق وجود نہیں، یا ایک دو سے زیادہ

نہیں، ایسی حالت میں عام احادیث عقائد کا منبع نہیں قرار پا سکتی ہیں عموماً احادیث روایتً احاد ہیں اور ان کا ایک حصہ مستفیض ہے صحابہؓ کے بعد ان کے راویوں کی کثرت ہوئی ہے اس لئے یہ روایتیں صرف قرآن پاک کی آیات کی تائید میں کام آ سکتی ہیں مستقلاً ان سے عقائد کا ثبوت حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

اب رہ گئے احکام، ان کے لئے مستفیض و آحاد سب کچھ کار آمد ہیں، دنیا میں تمام عملی کاروبار اسی پر چل رہا ہے، ایک آدمی تنہا آپ کو آ کر اطلاع دیتا کہ فلاں شخص آپ کو بلاتا ہے آپ بے چون و چرا اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں کبھی سوال و جواب نہیں کرتے کہ اس نے بلایا بھی ہے یا نہیں، ہاں اگر کسی قرینہ سے شک ہوتا ہے تو سوال و جواب کر لیتے ہیں، یہی سب صورتیں احادیث میں بھی جاری ہیں، مثلاً اگر کوئی حدیث کسی دوسری زیادہ معتبر روایت کے خلاف ہو یا قرآن کے خلاف ہو یا اور کوئی بات اس کے مخالف نظر آئے تو ایسے موقع پر یقیناً صاحب تحقیق کو حق ہے کہ اس پر بحث کرے۔

بہت سے علمائے محققین کی طرح میرا بھی یہ اعتقاد ہے کہ احکام و اخلاق کے متعلق صحیح احادیث میں جو کچھ ہے، وہ تمام تر قرآن سے ماخوذ و مستنبط ہے اور چونکہ وہ خود صاحب وحی کا تائید الٰہی و بشرح ربانی استنباط ہے اس لئے بشرط ثبوت وہ بھی یقینی اور واجب التعمیل ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں اس کا نام "تبیین" کھولنا اور "ارات" دکھانا ہے، اس موقع پر ہم کو بیشک یہ گلہ ہے کہ ہمارے علماء، اور خصوصاً علمائے متاخرین نے اس حیثیت سے قرآن پاک کی خدمت کم کی، حالانکہ صحابہؓ اور ائمہ مجتہدین نے اپنے اجتہادات اور استنباطات میں ہمیشہ قرآن کو سب سے اول پیش نظر رکھا، لیکن انہوں نے فن کی حیثیت سے اس کو مستقل نہیں کیا ان کا زمانہ تدوین فن کا نہ تھا یہ بعد کے لوگوں کا کام تھا، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جس طرح کتب فتاویٰ کی سہولت نے لوگوں کو فقہ سے اور کتب فقہ کی سہولت نے حدیث سے باز رکھا اسی طرح حدیث کی سہولت اور ابواب کی تقسیم نے لوگوں کو قرآن کی طرف

بقیہ... صـ ۱۲ پر

چوتھی قسط

انیس احمد فلاحی مدنی

یہودیت

۴۔ دور محکومی

یہ دور اسرائیلی مملکت کے زوال اور یہوداہ کے سقوط سے لیکر یروشلم کی دوسری عام تباہی تک کے واقعات وحادثات پر مشتمل ہے۔ اس دور میں یہود یکے بعد دیگرے درج ذیل اقوام کے ماتحت باجگذار بن کر رہے۔

۱۔ بابلی ۵۸۶ ق م - ۵۳۸ ق م؛

۲۔ ایرانی ۵۳۸ ق م - ۳۳۲ ق م؛ ۵۳۹ ق م میں ایرانیوں نے کورش اعظم کی قیادت میں بابل کے مقبوضہ علاقوں پر اپنا اقتدار قائم کر لیا اور پہلی ایرانی سلطنت کی طرح ڈالی (دیکھئے، دنیا کے بڑے مذہب: ۲۴۵) اس دور میں یہودیوں کو یروشلم واپس آنے کی اجازت مل گئی۔ یروشلم پہونچنے کے بعد دارا اول کی اجازت سے ۵۲۲ ق م میں حجی، زکریا نبی اور سردار کاہن یشوع کی نگرانی میں ہیکل سلیمانی نئے سرے سے تعمیر کیا گیا (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۵۹۹)

اس کے بعد شاہ ایران نے یہودیوں کو دی جانے والی ایسی مراعات میں مزید اضافہ کر دیا اور عزیرؑ کو شریعت موسویہ کے نفاذ پر مامور کیا اور فرمایا کہ "تو اپنے خدا کی اس دانش کے مطابق جو تجھ کو عنایت ہوئی، حاکموں اور قاضیوں کو مقرر کر تا کہ دریا پار کے سب لوگوں کا جو تیرے خدا کی شریعت کو مانتے ہیں، انصاف کریں اور تم اس کو جو نہ جانتا ہو سکھاؤ اور جو کوئی تیرے خدا کی شریعت پر اور بادشاہ کے فرمان پر عمل نہ کرے اس کو بلا توقف قانونی سزا دی جائے خواہ موت ہو یا جلاوطنی یا مال کی ضبطی ہو یا قید۔" (عزرا باب ۸ آیت ۲۵، ۲۶)

غلامی فرمان سے رہا پاکر حضرت عزیرؑ تورات کی حفاظت کی غرض سے اسکی تدوین کی جانب متوجہ ہوئے۔ پھر اسی کے ساتھ ساتھ اصلاحی سرگرمیوں اور کوششوں کا بھی آغاز کیا سب سے پہلے انہوں نے یہودیوں کی دینی تعلیم وتربیت کا بندوبست کیا تاکہ انکی اعتقادی واخلاقی حالت کی اصلاح ہو سکے پھر قوانین شریعت کا نفاذ کر کے انکی معاشرتی واجتماعی زندگی کو ان مفاسد سے پاک کیا جو غیر قوموں کے اختلاط سے انکے اندر آگئی تھیں۔ اس ضمن میں ان تمام مشرک عورتوں کو طلاق دلوائی گئی جن سے یہودیوں نے اپنی اسیری کے دوران شادیاں کر لی تھیں۔ ایرانی حکومت کے تحت یہودی قوم کا یہ دور بعض مختصر دور کو چھوڑ کر بڑے ہی سکون واطمینان کے ساتھ گزرا۔

۳- یونانی (۳۳۲ ق م - ۱۰۵ ق م)۔ ۳۳۲ ق م میں ایرانی حکومت پر سکندر یونانی کے غلبہ وتمکن کے بعد یہودی ایرانیوں کے بجائے یونانیوں کی ماتحتی میں آگئے اس دور میں یہودیوں پر کافی ظلم وستم ڈھائے گئے۔ بیت المقدس کے ہیکل میں زبردستی بت رکھوائے گئے اور یہودیوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ ان کو سجدہ کریں سبت کے احکام پر عمل کرنے اور بچوں کے ختنہ کرنے کی ممانعت کر دی گئی لیکن یہودی اس جبر سے مغلوب نہ ہوئے اور انکے اندر ایک زبردست تحریک اٹھی جو تاریخ میں "مکابی بغاوت" کے نام سے مشہور ہے یہ بغاوت حضرت عزیرؑ کی پھونکی ہوئی مذہبی روح ہی کی بنا پر کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور انہیں ایک مستحکم اور آزاد دینی ریاست قائم کرنے کا موقعہ مل گیا۔ یہ یہودی ریاست ۶۷ ق م تک باقی و برقرار رہی۔

۴- رومی (۶۳ ق م - ۱۳۵ ق م)

مکابیوں کی تحریک جس اخلاقی ودینی روح کے ساتھ اٹھی تھی وہ بتدریج فنا ہوتی چلی گئی۔ جس کے نتیجے میں انکے درمیان شدید اختلافات رونما ہوتے حتی کہ انکے ہی بعض گروہوں نے رومی جنرل پومپی آئی کو فلسطین آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ پومپی آئی نے ۶۳ ق م میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے انکی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔

رومی دور حکومت میں یہودیوں کی مذہبی حالت

اس دور میں عام یہودیوں اور ان کے مذہبی پیشواؤں کی حالت کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ان تنقیدوں کا مطالعہ کرنا چاہئے جو مسیح علیہ السلام نے اپنے خطبوں میں ان پر کی ہیں۔ یہ سب خطبے اناجیل اربعہ میں موجود ہیں۔ پھر اس کا اندازہ کرنے کے لئے یہ امر کافی ہے کہ اس قوم کی آنکھوں کے سامنے یحییٰ علیہ السلام جیسے پاکیزہ انسان کا سر قلم کیا گیا مگر ایک آواز بھی اس ظلم عظیم کے خلاف نہ اٹھی اور پوری قوم کے مذہبی پیشواؤں نے مسیح علیہ السلام کیلئے سزائے موت کا مطالبہ کیا مگر تھوڑے سے راست باز انسانوں کے سوا کوئی نہ تھا جو اس بدبختی پر ماتم کرتا۔ حد یہ ہے کہ جب پونٹس پیلاطس نے ان شامت زدہ لوگوں سے پوچھا کہ آج تمہاری عید کا دن ہے اور قاعدے کے مطابق میں سزائے موت کے مستحق مجرموں میں سے ایک کو چھوڑ دینے کا مجاز ہوں۔ بتاؤ یسوع کو چھوڑوں یا برابا ڈاکو کو؟ تو انکے پورے مجمع نے بیک آواز ہو کر کہا برابا کو چھوڑ دے (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۶۰)

۵- عہد مہاجرت

رومیوں نے فلسطین پر قبضہ کے بعد کچھ عرصہ تک تو یہودیوں کے مذہبی امور میں مداخلت نہ کی لیکن جلد ہی نسلی برتری اور اپنی تہذیب وتمدن کی فوقیت کے احساس سے مغلوب ہو کر انھوں نے فلسطین میں مظالم شروع کر دیئے اور ایسے قواعد نافذ کئے جو یہودیوں کی شریعت اور طرز معاشرت کے سرتاسر منافی تھے یہودی جو ہمیشہ اپنی خود مختاری کے خواب دیکھا کرتے تھے اس صورت حال سے شدید اضطراب میں مبتلا ہو گئے۔ اپنے مذہب ومعاشرت میں اس مداخلت کے خلاف یہودیوں کے پرجوش طبقے نے ۶۶ء میں ایک تحریک آزادی شروع کی۔ لیکن رومی جنرل ٹیٹس کی قیادت نے اسے ۷۰ء میں ناکام بنا دیا

پر قبضہ کر کے قتل و غارت گری کا ایسا بازار گرم کیا کہ خود مرکزی معبد کا سامان بھی لوٹ لیا گیا اور اس کی عمارت کو مسمار کر کے پیوند خاک کر دیا گیا۔ اس تباہی کے بعد سے آج تک یہ معبد دوبارہ تعمیر نہ ہو سکا۔

اس کے بعد یہودی کچھ عرصہ مغلوب ہو کر بے نوائی کی زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ قیصر ہیڈریان کے دور حکومت میں اس کے بعض احکامات نے ان کو بہت تنگی میں ڈال دیا جیسے ختنہ کی ممانعت اور ہیکل سلیمانی کے مقام پر رومی دیوتا "جیو پیٹرا" کے مندر کی تعمیر وغیرہ۔ ان احکامات سے تنگ آ کر یہودیوں نے آخری بار آزادی کی کوشش کی لیکن انھیں زبردست شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ قیصر ہیڈریان نے یروشلم میں موجود تمام یہودی آثار ایک ایک کر کے مٹا دیئے اور اس مقدس شہر میں یہودیوں کے داخلہ پر پابندی عائد کر دی۔ کسی بھی یہودی کو یروشلم کے قریب پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی ورنہ فوری قتل کی سزا اس کا مقدر تھی۔

سال میں صرف ایک دن ہیکل سلیمانی کے مغربی حصہ کی بچی ہوئی ایک دیوار دیوار گریہ "الحائط المبکی" کی زیارت کی انھیں اجازت تھی۔ (اتجاہات فی الفکر الیہودی، حسن ظاظا صفحہ ۳۶-۳۹) ۱۳۵ء میں یروشلم کی اس عام تباہی کے بعد یہودی مہاجرت کا دور شروع ہوتا ہے جو اٹھارویں صدی تک محیط ہے۔ اس پورے عرصہ میں یہودیوں کو کہیں ایک جگہ مستقل طور پر جم کر رہنے کا موقع نہ مل سکا۔ پوری یہودی قوم ٹولیوں میں بٹ کر زمین کے مختلف حصوں میں منتشر ہو گئی۔ اور اس تفرق و انتشار کی وجہ سے انھیں ہر جگہ سخت مظالم برداشت کرنے پڑے۔ یہودی قوم کی اس صورت حال کی بڑی ہی حسین تصویر قرآن کریم میں یوں پیش کی گئی ہے۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ ......

...... وَقَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِکَ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ

خَلْفٌ وَّرِثُوا الْکِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی وَیَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا وَاِنْ یَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْکِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِیْهِ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (الاعراف: ۱۶۷-۱۶۹)

اور یاد کرو جب کہ تمہارے رب نے اعلان کر دیا کہ "وہ قیامت تک برابر ایسے لوگ بنی اسرائیل پر مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب دیں گے یقیناً تمہارا رب سزا دینے میں تیز دست ہے اور یقیناً وہ درگزر اور رحم سے کام لینے والا ہے۔

اور ہم نے ان کو زمین میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے بہت سی قوموں میں تقسیم کر دیا کچھ لوگ ان میں نیک تھے اور کچھ اس سے مختلف۔ اور ہم ان کو اچھے اور برے حالات سے آزمائش میں مبتلا کرتے رہے کہ شاید یہ پلٹ آئیں۔ پھر اگلی نسلوں کے بعد ایسے ناخلف ان کے جانشین ہوئے جو کتاب الٰہی کے وارث ہو کر اسی دنیائے دنی کے فائدے سمیٹتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ توقع ہے ہمیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہی متاع دنیا سامنے آتی ہے تو پھر لپک کر اسے لے لیتے ہیں کیا ان سے کتاب کا عہد نہیں لیا جا چکا ہے کہ اللہ کے نام پر وہی بات کہیں جو حق ہو اور یہ خود پڑھ چکے ہیں جو کتاب میں لکھا ہے۔ آخرت کی قیام گاہ تو خدا ترس لوگوں کے لئے ہی بہتر ہے کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھتے؟

قول زریں

امت مسلمہ کا مقصد وجود ہی جہاد فی سبیل اللہ ہے اس فریضہ کی ادائیگی میں سستی اور کاہلی ذلت و رسوائی کا موجب ہوتی ہے۔

(مولانا محمد سرفراز مدنی نائب صدر یو کے اسلامک مشن)

جامعہ کے لیل ونہار

ادارہ

جناب ماسٹر جنید احمد صاحب رو بصحت

ماسٹر جنید احمد صاحب جامعۃ الفلاح کے قدیم اور مشفق استاد ہیں۔ موصوف ادھر چند ماہ سے عرق النساء کے شکار تھے مقامی علاج سے کچھ فائدہ نہ ہوا تو دہلی لے جائے گئے۔ بحمد اللہ اب رو بصحت ہیں۔ اللہ رب العزت انکو شفاء عاجل وکامل عطا فرمائے۔

برادرم ولی اللہ سعیدی ایس آئی او کے جنرل سکریٹری

حال ہی میں ایس آئی او آف انڈیا کے مرکزی تنظیمی ذمہ داران کا انتخاب عمل میں آیا۔ برادرم ولی اللہ سعیدی فلاحی صاحب اس کے جنرل سکریٹری منتخب کئے گئے ہیں۔ موصوف کچھ عرصہ تک حیات نو کی ادارت سے بھی منسلک رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو اپنی دعوتی و تنظیمی ذمہ داریوں کو حسن وخوبی انجام دینے کی توفیق بخشے۔

حیات نو کی خریداری مہم

شوریٰ کے مقامی ارکان کے فیصلے کے بموجب ماہ جون کے ابتدائی عشرہ میں حیات نو کی خریداری مہم بضلع اعظم گڑھ میں چلائی گئی تھی وہ امید افزا حد تک کامیاب ہوئی۔ اس مہم کی کامیابی سے یہ حوصلہ اور آرزو پیدا ہوئی کہ ملک کے تمام ہی صوبوں میں موجود فلاحی برادران اس مہم میں اگر تعاون کریں تو یقیناً علمی حلقوں میں حیات نو کی پذیرائی کی راہیں کھلیں گی۔

مجالس تعلیمی وشوریٰ اور انجمن شوریٰ کا اجلاس!

جامعۃ الفلاح کی مجلس تعلیمی کا اجلاس ۷، ۸ اگست ۱۹۹۶ء اور مجلس شوریٰ کا اجلاس ۸، ۹، ۱۰ اگست ۱۹۹۶ء جامعہ میں منعقد ہوگا۔ نیز انجمن کی مجلس شوریٰ کا اجلاس ۷ اگست ۱۹۹۶ء بروز پنجشنبہ صبح ۹ بجے دفتر میں ہوگا۔